المرشد

ماہنامہ

جنوری

2007ء

الله رسول محمد

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

منافع خوروں اور ملاوٹ مافیا نے مل کر غریب عوام کا کچومر نکال دیا

ماہنامہ المرشد

بانی	حضرت العلام مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
سرپرست	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

جنوری 2007ء ذیقعد/ذوالحج

جلد نمبر 28 | شمارہ نمبر 6

مدیر

چوہدری محمد اسلم

جوائنٹ ایڈیٹر: ضمیر حیدر

سرکولیشن منیجر: رانا جاوید احمد

[illegible]

رانا شوکت حیات محمد ندیم اختر

قیمت فی شمارہ 25 روپے

LRL # 41

فہرست

اداریہ	محمد اسلم	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
تصوف کی حقیقت	امیر محمد اکرم اعوان	6
ولایت کیا ہے؟	امیر محمد اکرم اعوان	26
سوال وجواب	امیر محمد اکرم اعوان	31
انسان کی منزل	امیر محمد اکرم اعوان	38
تحفظ حقوق نسواں بل	اُم فاران	45
حیات طیبہ (سلسلہ وار)	ابوالاحمدین	48
اسلام میں عورت کا مقام (انگلش)	امیر محمد اکرم اعوان	56

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش	
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ، یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
کینیڈا، آسٹریلیا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس، لاہور 042-6314365 ناشر: پروفیسر عبدالرزاق

رابطہ آفس = ماہنامہ المرشد اے ۔ ٹی ۔ ایم بلڈنگ نیل کوٹھیاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2668819

موبائل 0322-6043223 0346-5207282 Web Site:- www.zikr-e-ilahi.com E-Mail:info@alikhwan.org.pk

سرکولیشن آفس = ماہنامہ المرشد اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-5182727

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

توبہ

نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب ہے اور توبہ کرنے والا ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اور یہ تو اللہ کریم کی صفت ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے خواہشوں اور آرزوؤں تک سے آگاہ ہے اور اگر کسی نے غرغرہ موت تک توبہ نہیں کی تو یہ شیطان کے اوصاف میں سے ہے پھر جب موت سر پر آ گئی آخرت ظاہر ہو گئی تو قبولیت توبہ کا وقت نکل گیا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ کبھی گناہ کا ارتکاب نہ ہونا یہ فرشتوں کا مقام ہے اور یا پھر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جو معصوم ہوتے ہیں اور مسلسل گناہ کرنا اور کبھی ندامت نہ ہونا یا ترک گناہ کی طرف نہ آنا یہ شیطان کی صفت ہے اور تیسرا درجہ بنی آدم کا ہے کہ گناہ کا ہو جانا لیکن اس پر فوراً ندامت کا ہونا آئندہ اسے چھوڑنے کا پختہ عزم اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب کرنا۔ اگر مسلسل برائی میں موت نے آ لیا تو نہ صرف عذاب ہوگا بلکہ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے جو ان کے لئے خاص طور پر تیار کیا گیا ہے۔ گناہ مسلسل پر ندامت کا نہ ہونا شقاوت قلبی کا پتہ دیتا ہے جو دنیا کی زندگی میں ایک بہت بڑا عذاب ہے اور مفضی الی الکفر ہے کہ ایمان کا سلب ہو جانا آخری سزا ہے پھر کبھی نجات کی اُمید نہیں رہتی اور موت کا وقت انسان کے علوم کی رسائی سے باہر ہے اس لئے زندگی میں مسلسل توبہ کی ضرورت ہے۔ کیا خبر کونسا پل آخری پل ثابت ہو۔

اداریہ

ملک میں عدل وانصاف کے نظام کے بغیر مسائل کا حل ممکن نہیں

وطن عزیز کی آزادی کو تقریباً ساٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ہم اب تک آزادی کے مقاصد اور حقیقی ثمرات سے محروم ہیں۔ یہ بات بار بار دہرائی جا چکی ہے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی حاصل کرنے کا اہم بنیادی مقصد یہ تھا کہ کروڑوں مسلمان اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں اور آزاد مملکت میں انہیں ایک اسلامی فلاحی ریاست کے شہری کے طور پر تمام بنیادی حقوق حاصل ہو سکیں۔ پاکستان کی آزادی کیلئے جدوجہد کرنے اور قربانیاں دینے والوں کا یہ بھی خواب تھا کہ پاکستان میں انہیں غیر طبقاتی نظام تعلیم سے مستفید ہونے کا موقع ملے گا.....! فوری اور سستا انصاف فراہم ہوگا.....! مفت علاج کی سہولت ملے گی.....! روزگار کے یکساں اور وافر مواقع میسر آئیں گے.....! لیکن بدقسمتی سے آزادی کے باوجود ہم کا فرانہ نظام سے آزادی حاصل نہ کر پائے۔

انگریز چلا گیا لیکن اس کے وفادار اپنے مفاد کیلئے اس کے چھوڑے ہوئے نظام سے چمٹے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف دو فیصد مراعات یافتہ طبقے کے علاوہ اٹھانوے فیصد عوام الناس آج بھی شدید مسائل کا شکار ہیں۔ ستر فیصد سے زائد آبادی کو صاف پانی کی سہولت نہیں ہے.....! خالص خوراک اور ادویات میسر نہیں ہیں.....! مکان اور پلاٹ خریدنا عام آدمی کی دسترس میں نہیں ہے.....! اعلیٰ تعلیم پر ایک خاص طبقے کا تسلط ہے.....! غریب کو انصاف نہیں ملتا.....! علاج کی سہولیات روز بروز اس کی دسترس سے باہر ہوتی جا رہی ہیں.....! بیروزگاری کینسر کی طرح پھیل چکی ہے۔ غرض منافع خوروں اور ملاوٹ مافیا نے انتظامیہ سے مل کر عوام کا کچومر نکال رکھا ہے اور غریب عوام خودکشیوں پر مجبور ہیں۔

جن ممالک نے عدل وانصاف کا نظام نافذ کیا ہوا ہے۔ وہاں کی عوام کو وہ تمام بنیادی سہولتیں میسر ہیں جس کا پاکستانی عوام خواب ہی دیکھ سکتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو انصاف، تعلیم، صحت اور دیگر سہولتیں ان کے Door Step پر ملتی ہیں۔ پاکستانی عوام یہ سہولتیں حاصل کرنے کیلئے اپنی تمام تر زندگی گزار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک اس مملکت خداداد میں عدل وانصاف کا نظام نافذ نہیں کیا جاتا اس وقت تک یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اس کیلئے عوام کو خود میدان میں آ کر مخلص لوگوں کا انتخاب کرنا ہوگا جو اس ملک کے غریب عوام کی توقعات پر پورا اتر سکیں۔

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل

کونسی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر

متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جبت سیکھا یا کم سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

جہانِ تمنا

تمناؤں کا اپنا اک جہاں ہے
یہ ندی ہے جو گلشن میں رواں ہے
اگر دیکھو کبھی موسم یہاں کے
یہاں کا اک اک لمحہ جواں ہے
اسی میں اک گل امید بھی ہے
جہاں میں اور ایسا گل کہاں ہے
خزاں اس باغ میں آتی نہیں ہے
یہ گوشہ اس کی آنکھوں سے نہاں ہے
الگ سورج ہے اس دنیا کا اپنا
ہے اپنا چاند اپنی کہکشاں ہے
حسیں دن ہیں نرالی صبح اس کی
جواں ہے شام اس کی شب جواں ہے
بہت کرتا تھا باتیں اس نگر کی
کہیں سیماب کا بھی گھر یہاں ہے

اقوالِ شیخ

☆......اللہ کریم کے لئے دوسروں سے بھلائی کرنا اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔

☆......دنیا دارِ عمل ہے اور یہاں اسباب کو بہت دخل ہے حتیٰ کہ خود رب کریم اسباب پیدا فرما کر نتائج کو ان کے اثر کے طور پر پیدا فرماتا ہے۔

☆......ہر گناہ اپنی حیثیت کے مطابق ظلمت و نحوست کا سبب بنتا ہے جو کسی نہ کسی درجہ دنیا و مافیہا کو متاثر کرتا ہے۔

☆......شریعت پر عمل کرنے میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہیں گو بعض احکام بعض وجوہ کی بنیاد پر مختلف ہیں مگر جواب دہی میں کچھ فرق نہیں نہ جزا و سزا میں فرق ہے۔

☆......نبوت کے علاوہ ہر وہ کمال جو مرد حاصل کر سکتا ہے وہ عورت بھی کر سکتی ہے۔ نبوت کے بعد سب سے بڑا کمال صحابیت ہے اگر صحابیات بن سکتی ہیں تو ولایت کے درجوں میں کیا فرق!

☆......ساری ولایت کا خلاصہ یہ ہے کہ معیت باری حاصل ہو جائے تصوف کا حاصل یہی ہے کہ اس قدر اللہ کرے کہ دل و دماغ میں رچ بس جائے پھر سارا جہاں چھوٹ جائے مگر اللہ کا نام نہ چھوٹے۔

☆......دین کو غالب کرنا یہ اللہ کا کام ہے۔ مسلمان کا کام خلوص کے ساتھ جان کو حاضر کر دینا ہے۔

☆......تقویٰ اس کیفیت کا نام ہے جو دل کو اللہ کی بارگاہ میں حضوری سے نصیب ہوتی ہے۔

تصوف کیا ہے؟

صوفی گوشہ نشین نہیں ہوتا صوفی خرقہ پوش نہیں ہوتا۔ صوفی ایک ایسا غلام بن جاتا ہے بارگاہِ رسالت ﷺ کا جو ضرورت پڑنے پر شمشیر اٹھا سکتا ہے شمشیر استعمال کر سکتا ہے ضرورت پڑنے پر تاجر بھی بن سکتا ہے ضرورت پڑنے پر مزدور بھی بن سکتا ہے ضرورت پڑنے پر سلطان اور حکمران بھی بن سکتا ہے ضرورت پڑنے پر سفیر بھی بن سکتا ہے۔ یعنی صوفی جو ہوتا ہے وہ ہمہ جہت انسان بن جاتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام بن جاتا ہے اور بنیادی طور پر اس کا دل ایک روشنی بن جاتا ہے جو دنیا پر عدل و انصاف کی روشنی بکھیرتا ہے اور ظلم و جور کو مٹاتا ہے۔

کفر کیا ہے؟ اگر مجھ سے پوچھیں تو میں کہتا ہوں اسلام کفر کے مقابلے میں نہیں آیا اور یہ بڑی عجیب بات ہے جو میں ہی کہہ سکتا ہوں۔ اسلام بنیادی طور پر جہالت کے مقابلے میں آیا ہے۔

کفر جہالت کا پھل ہے۔

گوشے اللہ نے عورتوں کے لئے بنائے ہیں یا جنگلی جانوروں کے لئے بنائے ہیں۔ یہ کونسا تصوف ہے کہ جو گوشہ نشین کر دے یا جنگل میں بھگا دے۔ صوفی تو میدان میں رہتے ہیں اور صوفی انقلاب آفرین ہوتے ہیں اور ان کے دم سے دنیا میں تبدیلیاں آتی ہیں۔

20 اکتوبر 2006ء کو دارالعرفان منارہ میں تصوف کی حقیقت نیز تصوف کی ضرورت و اہمیت اور ناگزیریت پر

امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان کا خصوصی خطاب

الحمدللہ رب العلمین o

والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ محمد وآلہ

واصحابہ اجمعین o

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم o

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمتہ

اَللّٰھُم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیمo

اللّٰھُم صل وسلم دائما ابدا

علی حبیبک من زانت بہ العصور

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ ہستی ہیں جنہوں نے واقعی دنیا کو انقلاب آشنا فرمایا۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو پورا روئے زمین سارا عالم انسانیت نہ صرف کفر کی ظلمتوں میں بھٹک رہا تھا بلکہ پوری دنیا جور و جفا کی چکی میں پس رہی تھی اور ہر طرف ظلم کا دور دورہ تھا۔ انسان انسانوں کو مار کر کھا رہے تھے زندہ جلا رہے تھے درندوں کے آگے ڈال کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ یہ دنیا کی تاریخ ہے جسے دیکھا جا سکتا ہے۔ روئے زمین پر صرف طاقت کا راج تھا اور سب سے بڑا جرم کمزوری تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے مبعوث ہو کر شمع محبت روشن کی۔

قرآن حکیم فرماتا ہے۔

کنتم اعداء فالف بین قلوبکم. تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ باپ بیٹا ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ بھائی بھائی ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ قبیلے قبیلوں کے دشمن تھے۔ قومیں قوموں کی دشمن تھیں۔ حکومتیں حکومتوں سے دشمنی کر رہی تھیں۔ ہر فرد دشمنی میں مبتلا تھا۔ انقلاب محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام نے دلوں میں محبتیں بھر دیں الفتیں بھر دیں۔

فاصبحتم بنعمتہ اخوانا. اللہ کا ایسا احسان ہوا کہ لوگ بھائی بھائی ہو گئے۔ ایک دوسرے کا بھلا چاہنے لگ گئے۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی میں لگ گئے۔

اس کے لئے حضور اکرم ﷺ نے کیا نسخہ استعمال فرمایا؟ کیا ترکیب حضور ﷺ نے استعمال فرمائی؟ کونسا طریقہ تھا جس نے اس طرح سے دلوں کو بدل دیا؟ اس کی بنیاد تھی دعوت الی اللہ ــــ!

یتلوا علیھم ایتہ۔ اللہ کی آیات پیش فرماتے تھے اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے پھر جو دعوت قبول کرتا۔ ویزکیھم۔ اُن کا تزکیہ فرماتے تھے۔ تزکیہ جو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ کیا تھا۔ کیا وہ نہا دھو کر صاف ہو جاتے تھے۔ کپڑے صاف پہن لیتے تھے یہ تو پہلے بھی ہوتا تھا۔ لوگ پہلے بھی نہاتے دھوتے تھے۔ امیر امراء بڑے قیمتی اور ریشمی لباس پہنتے تھے۔ بڑے بڑے بھاری زیورات پہنتے تھے اور بدن کو سجاتے تھے۔ یہ سب تو پہلے بھی ہوتا تھا آپ ﷺ نے جو تزکیہ فرمایا جو پاکیزگی حضور ﷺ نے عطا فرمائی۔ وہ دلوں کی پاکیزگی تھی۔ دلوں کو حضور ﷺ نے پاک کر دیا۔ دلوں کو پاک کرنے کا طریق نبوی ﷺ کیا تھا؟ آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ میں وہ کیفیات ہوتی تھیں جو دلوں میں اتر جاتی تھیں۔ ہر متکلم ہر وہ شخص جو کلام کرتا ہے جب اُس کا کلام

آپ سنتے ہیں تو اُس میں اُس کی ذات کے اثرات بھی ہوتے ہیں اور یہ ہر شخص میں ہوتے ہیں کسی کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ بندے کو زیادہ متاثر کرتی ہے۔ کسی میں کم ہوتی ہے۔ بندہ کم متاثر ہوتا ہے لیکن ہر فرد میں ہوتی ہے۔ آپ کسی شعبہ زندگی کے لوگوں کے ساتھ کسی آدمی کو کچھ عرصے کے لئے چھوڑ دیں وہ ان کی باتیں سنتا رہے اُن میں بیٹھا رہے تو اُس کی عادات آخر اُن جیسا ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اُس کی پسند و ناپسند اُن کی پسند و ناپسند میں ڈھلنے لگ جائے گی۔

اللہ کے رسول ﷺ میں یہ قوت اس قدر تھی جس میں آپ ﷺ کا کوئی دوسرا ثانی نہیں ہے۔ وہ پاکیزگی وہ نورانیت وہ محبتیں وہ رحمتیں اللہ کا وہ کرم جس سے حضور اکرم ﷺ کا قلب اطہر لبریز تھا جو کوئی ایمان لا کر توجہ سے حضور ﷺ کے ارشادات سنتا وہ دلی طور پر اُن کیفیات سے سیراب ہو کر اُن میں ڈھلتا چلا جاتا۔ اس عالمی انقلاب کے لئے حضور اکرم ﷺ نے کوئی باہر سے مخلوق درآمد نہیں کی وہی لوگ جب روئے زمین پر ہر طرف ظلم کا دور دورہ تھا تو جزیرہ نمائے عرب جو دنیا کا مرکز ہے اُس میں تقریباً ہر وہ خرابی موجود تھی جو دوسری اقوام میں انفرادی طور پر تھیں۔ یعنی بعض تو میں بعض ایک ظلم میں دوسروں سے زیادہ آگے تھیں دوسری قوم کسی دوسرے ظلم میں اُن سے آگے تھی تیسری کسی تیسری طرح کے ظلم میں اُن سے آگے تھی لیکن جزیرہ نمائے عرب کا محل وقوع بھی ایسا ہے کہ وہ دنیا کا مرکز ہے اور اُن کا پیشہ بھی یہ تھا کہ وہ دنیا کے ساتھ تجارت ہی اُنکا ذریعہ معاش تھا اور باہر کی دنیا کے ساتھ رابطہ ہوتا تھا تو جہاں جاتے وہاں سے کچھ نہ کچھ لے آتے۔ تو جزیرہ نمائے عرب میں وہ ساری خرابیاں موجود تھیں جو روئے زمین پر منتشر تھیں۔ وہیں سے بعثت نبوی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کا آغاز ہوا اور وہی لوگ حضور ﷺ کی نگاہ شفقت کی بدولت آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ سن کر آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے قرآن حکیم اور اللہ کی آیات سن کر اس طرح تبدیل ہوئے کہ جو لوٹ کر کھانے کے عادی تھے وہ کما کر حلال روزی لٹانے پہ آ گئے جو قاتل اور لوگوں کی گردنیں مارنے والے تھے وہ لوگوں کے محافظ اور لوگوں کی جانوں کے محافظ بن گئے۔ یعنی پوری طرح سے رات کی تاریکی چھٹ گئی اور پوری طرح سے روشنی اور سورج منور ہو گیا انصاف اور عدل کا۔

تو یہ کیفیات تھیں جو قلب اطہر سے سننے والے کے قلب میں منعکس ہوتیں اور وہ بندہ بدل جاتا اور اتنا بدلتا کہ انہی لوگوں نے تیرہ برس مسلسل مکی زندگی میں ہر دکھ برداشت کیا لیکن حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ حتیٰ کہ انہیں ہجرت کرنا پڑی تو انہوں نے گھربار چھوڑ دیئے مال جائیدادیں چھوڑ دیں رشتہ دار چھوڑ دیئے کنبے قبیلے چھوڑ دیئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور جب غزوہ بدر میں مقابلہ ہوا اور ایک ہزار کے لشکر جرار اور چنے ہوئے بہادروں کے سامنے تین سو تیرہ کا ایک ایسا لشکر تھا حضور ﷺ کے

ساتھ جس کے پاس نہ رسد تھی نہ قابل ذکر اسلحہ تھا نہ سواری تھی تو حضور اکرم ﷺ نے عریش بدر میں جب دعا فرمائی تو آپ ﷺ کے الفاظ قابل توجہ ہیں آپ ﷺ کا ہر لفظ قابل توجہ ہے دل میں اتارنے کے لئے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اے اللہ میں بدر میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں'' آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تیرے بڑے کھرے بندے لے آیا ہوں تیرے مخلص بندے لے آیا ہوں تیرے بڑے نیک لوگ لے آیا ہوں۔ نہیں' فرمایا اے اللہ میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں یعنی ایک فزیکل سٹرکچر کا ایک انسانی وجود کا نظریے میں تبدیل ہو جانا اب جو حضور ﷺ نے فرمایا الحمد للہ وہ برحق' آپ ﷺ اصدق الصادقین' آپ ﷺ کا ایک ایک لفظ سچ اور صرف سچ ہے۔ تو حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ یہ تین سو تیرہ صرف افراد نہیں ہیں' یہ سارے کا سارا سراپا اسلام بن گئے ہیں۔ یعنی فرد کا نظریے میں ڈھل جانا اسے کہتے ہیں ''تزکیہ'' جو حضور ﷺ نے فرمایا اور اللہ کے حضور آپ نے عرض کی کہ اگر یہ یہاں کھیت رہے۔

فلن تعبد ابداً۔ قیامت تک کوئی پیشانی تیرے سجدوں سے آشنا نہیں ہو سکتی۔ کوئی بتانے والا نہیں ہوگا کہ تو کیسا ہے کہاں ہے کس بات پہ تو راضی ہے یہ سارے کا سارا اسلام ہے۔

تو برکات نبوی ﷺ یہ تھی کہ تزکیہ جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ انسان یعنی نوع انسان ایک مجسم آدمی ایک نظریہ حق میں ایک دعوت حق میں سراپا حق بن گیا۔ یہ تھا دلوں کا تزکیہ کہ اب اُن کے اعضاء وجوارح بھی ہر وہ کام کرتے تھے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اب وہ صرف مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں تھے وہ نوع انسانی کے خیر خواہ بن گئے اور انہوں نے جتنے جہاد کیے وہ صرف ظلم کو روکنے کے لئے اور انصاف کو قائم کرنے کے لئے کیے ورنہ کافروں کے قتل عام کی اجازت بھی نہیں تھی یعنی کسی کافر کو بھی قتل نہیں کیا گیا۔ وحشت گردی نہیں بنائی گئی' مکان نہیں جلائے گئے' فصل نہیں جلائے گئے' میوہ دار درخت نہیں کاٹے گئے۔ عبادت خانے خواہ بت خانے تھے ان میں بتوں کی پوجا ہو رہی تھی لیکن حضور ﷺ کا حکم تھا کہ معابد کو نہ چھیڑا جائے' معابد میں رہنے والے لوگوں کو نہ چھیڑا جائے' خواتین اور بچوں کو نہ چھیڑا جائے ضعیف لوگوں کو نہ چھیڑا جائے' حتیٰ کہ جو مقابلے میں تلوار نہیں اٹھاتا اُس پر تلوار نہیں اٹھائی جائے گی۔ اور دنیا کو تھوڑے سے عرصے میں یعنی قرآن حکیم تئیس برس نازل ہوتا رہا تیرہ برس کی زندگی تھی اور دس برس مدینہ منورہ میں تئیس برس میں قرآن کی تکمیل ہوگئی اور حاملین قرآن صاحب تزکیہ لوگ جن کا حضور ﷺ نے تزکیہ فرما دیا۔ آپ ﷺ امت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں سونپ کر دنیا سے پردہ فرما گئے۔ اُن کی کارکردگی دیکھیے اور تزکیے کے اثرات دیکھیے کہ دنیا ظلم اور جور وجفا سے بھری ہوئی تھی تئیس برس ہی میں تئیس برس نزول قرآن کا عرصہ ہے تئیس

برس عہد خلافت کی تاریخ کو دیکھ لیجئے تو معلوم دنیا کے کم وبیش تین حصے فتح ہو چکے تھے اور مسلمانوں نے صرف فتح نہیں کئے بلکہ ایک بہت بڑی مثبت بات جو نظر آتی ہے ان فتوحات میں کسی عورت کی چیخ سنائی نہیں دیتی کسی یتیم کے آنسو گرتے سنائی نہیں دیتے کسی بوڑھے ماں باپ کی آہیں سنائی نہیں دیتیں بلکہ کافر کو بھی اگر انصاف ملا تو مسلمانوں کے زیر نگیں آ کر۔

ایک بنیادی بات جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمائی وہ یہ تھی کہ جان لینے کا حق اُسے ہے جس نے جان دی ہے۔ زندگی لینے کا حق اُس طاقت کو ہے جس نے زندگی عطا کی ہے جو زندگی دے نہیں سکتا اُسے زندگی کسی کی لینے کا بھی حق نہیں ہے۔ اگر کوئی مارا جائے گا تو اللہ کے حکم سے۔ اپنی مرضی سے اپنی خواہش سے کوئی کسی کو نہیں مار سکتا۔

حتیٰ کہ خیبر میں ایک عجیب واقعہ غزوہ خیبر میں پیش آیا حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم ایک یہودی سے مقابلہ کر رہے تھے تلواریں ٹوٹ گئیں اور دست بدست لڑائی پہ آ گئے۔ حضرت علی وجہ الکریم نے اُسے گرا لیا اور اُس کے سینے پہ سوار ہو گئے اور خنجر کھینچا اپنی کمر کی پیٹی سے اُس کے سینے میں اتارنے کے لئے تو اب اُس سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا وہ بے بس تھا تو اُس نے آپ کرم اللہ وجہ الکریم کے رخ مبارک پر تھوک دیا گھبرایا ہوا دشمن جب کچھ بھی نہیں کر سکتا تو کوئی حرکت تو کر گزرتا ہے تو اُس نے آپ کرم اللہ وجہ الکریم کے رُخ مبارک پہ تھوک دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کا ہاتھ رُک گیا۔ آپ کرم اللہ وجہ الکریم اُسے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور حیران ہوا۔ اُس نے پوچھا عجیب بات ہے میں تو سمجھا کہ اگر ایک خنجر سے میرا کام تمام ہو سکتا ہے تو آپ مجھے دس خنجر ماریں گے مارتے چلے جائیں گے اور آپ کرم اللہ وجہ الکریم نے مجھے بالکل ہی چھوڑ دیا! تو انہوں نے فرمایا میں تیرے ساتھ ذاتی دشمنی سے نہیں لڑ رہا تھا اور میں اپنے ذاتی انتقام کے لئے تجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ تو اللہ کے حکم میں اور عدل میں رکاوٹ بن رہا تھا تو ظلم کا مددگار بن رہا تھا اور میں اللہ کے حکم سے تجھے راستے سے ہٹا کر عدل قائم کرنا چاہتا تھا۔ اب جب تو نے میرے چہرے پہ تھوک دیا تو اپنی ذات کا غصہ بھی میرا اُس میں شامل ہو گیا۔ مجھے بھی تجھ پہ بڑا غصہ آیا کہ اسے مار دوں تو میں اپنے لئے تجھے قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا اس کی مجھے اجازت نہیں ہے اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔

اس بات نے اُسے اس پہ مجبور کر دیا کہ وہ کہہ اٹھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے لگا بے شک یہ دین برحق ہے۔ جس میں اللہ کے حکم کی اتنی پابندی ہے کہ عین میدان جنگ میں بھی اپنی ذاتی ناراضگی کی وجہ سے آپ تلوار نہیں چلا سکتے۔ حتیٰ زندہ رہنے کا حق اُس نے دیا ہے وہ زندگی واپس لے بھی سکتا ہے اُس کے حکم سے قتل کیا بھی جا سکتا ہے۔ جہاد میں بھی لوگ مارے جاتے ہیں، عدالتیں سزا دیتی ہیں لوگ قتل ہوتے ہیں وہ انصاف ہوتا ہے وہ دہشت گردی نہیں ہوتی۔ جب ہر کوئی قانون اپنے ہاتھ میں لے

لیتا ہے اور دوسروں کو مارنا شروع کر دیتا ہے تب دہشت گردی ہوتی ہے۔ دوسری بات جو اسلام کی بنیادی باتوں سے ہے۔ بنیادی ارکان میں سے ہے وہ ہے کہ ہر متنفس کو عقیدہ رکھنے کا حق حاصل ہے وہ اللہ کو مانے الحمدللہ نہ مانے تو یہ معاملہ اُس کے اور اللہ کے درمیان ہے آپ اُسے اس معاملے پہ نہ ایمان لانے پہ مجبور کر سکتے ہیں نہ اُس کی جان اور مال کو چھیڑ سکتے ہیں نہ اُسے قتل کر سکتے ہیں نہ اُس کی عزت میں مداخلت کر سکتے ہیں نہ اُس کے مال میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ اُس کی جان مال آبرو کا تحفظ مسلمانوں کے ذمے فرض ہے۔ نہ یہ کہ اُسے لوٹ لیں اور اُسے ماریں بلکہ اُس کی جان کا تحفظ اُس کی ضروریات اُسے دینا اگر وہ اسلامی حکومت کی حدود میں رہتا ہے تو اُس کے بچوں کی تعلیم اُس کے روزی کے وسائل اُس کا روزگار اُس کی جان مال آبرو کا تحفظ یہ حکومت اسلامیہ کے اور مسلمانوں کے ذمے ہے۔ تو یہ کیفیات نبی اکرم ﷺ نے اُن دلوں میں اس طرح اُتار دیں کہ وہ اس کی سراپا تصور بن گئے اور یہ بات تاریخ کا حصہ ہے۔ یوں تو تاریخ بڑے بڑے فاتحین کا نام لیتی ہے اور لوگوں نے چنگیز خان سے بھی دنیا کو مسخر کرنے کی کوشش کی اُس کا دعویٰ یہ تھا وہ سورج کو پوجتا تھا کہ آسمان پر دو سورج نہیں ہیں تو زمین پر دو خان نہیں ہوں گے۔ سکندر اعظم کا آپ ذکر پڑھتے ہیں اُسے دنیا فتح کرنے کا شوق آیا تو کہاں سے کہاں تک اُسنے مار اماری کی لیکن چنگیز خان بھی حسرتیں دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو گیا اور سکندر رو دار ابھی اپنی حسرتیں دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ کون لوگ تھے کہ جنہوں نے صرف تئیس برسوں میں پوری تاریخ انسانی کو بدل کر رکھ دیا؟ ان کا تزکیہ ہو چکا تھا اور جب یہ دل میں کیفیات آتی ہیں تو اُس کے بعد آتی ہے ان باتوں کی باری جو ہم کر رہے ہیں۔

یعلمھم الکتٰب والحکمۃ جب تزکیہ ہو جاتا ہے تو انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم فرماتا ہے۔ پھر سمجھ آتی ہے قرآن کریم کی پھر سمجھ آتی ہے ارشادات رسول ﷺ کی۔ احادیث مبارکہ بھی سنتے پڑھتے رہتے ہیں اور قتل و غارت گری بھی کرتے رہتے ہیں۔ ظلم و جور بھی کرتے رہتے ہیں۔ کیوں؟ الفاظ دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ دلائل دماغ کے لئے ہوتے ہیں۔ آپ جتنی دلیلیں بھی دیں وہ دماغ کو قائل کرنے کے لئے ہیں۔ دل کے لئے دلیل نہیں ہوتی۔ دل دلیلوں کو نہیں مانتا۔ آپ بدکاروں کو دیکھیں چوروں کو دیکھیں جواریوں کو دیکھیں شرابیوں کو دیکھیں آپ آرام سے انہیں پاس بٹھا کر اُن کی بات سننے کی کوشش کریں گے تو وہ آپ کو بتائیں گے کہ وہ شراب نہیں پینا چاہتے یہ انہیں نقصان دے رہی ہے۔ صحت بھی تباہ ہو رہی ہے مال بھی برباد ہو رہا ہے۔ وہ جوا نہیں کھیلنا چاہتے اُن کی ساری جائیداد جوئے میں وہ ہار چکے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ وہ کھیلیں۔ تو پھر کیوں کھیلتے ہو؟ دل کرتا ہے۔ اب عقل کے پاس تو یہ ثبوت بھی موجود ہیں کہ یہ بُرا کام ہے لیکن دل اُس کے ثبوتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ دل چاہتا ہے عقل

بے بس ہے مجبور ہے اعضاء و جوارح وہی کام کرتے ہیں جو دل کہتا ہے۔ اسی لئے اللہ کا رسول ﷺ عقل سے بات کرنے سے پہلے دل سے ارشاد فرماتا ہے۔ حضور ﷺ پہلے تزکیہ فرماتے ہیں۔ فرائض نبوت میں پہلے تزکیہ ہے کہ پہلی بات دل سے کی جائے۔ وہ کیفیات دل میں اتاری جائیں۔ دل کو پاک کیا جائے پھر عقل کو دلائل سے قائل کیا جائے۔ پھر کتاب کی تعلیم دی جائے پھر حکمت کی تعلیم دی جائے تو وہ تعلیم کتاب وحکمت جو ہوگی وہ انسان کی عملی زندگی میں رہنمائی کرے گی اس لئے کہ اس کا دل اُس پر عمل کرنے کے لئے پہلے سے تیار بیٹھا ہوگا ورنہ ہم دیکھتے ہیں دینی مدارس میں ہمارے نوجوان رات دن قرآن وحدیث پڑھتے ہیں فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جب بازار جاتے ہیں تو ان میں اور دوسرے لڑکوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ آپ حیران ہوں گے یہ ایک حقیقت ہے کہ درس بخاری پڑھنے والے رات کو سینماؤں میں پائے جاتے ہیں۔ شہر کے ایسے محلوں میں بھی دیکھے جاتے ہیں شریف لوگ کوئی بھی جہاں جانا برداشت نہیں کرتا وہاں بھی دیکھے جاتے ہیں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جسے ہمیں تسلیم کرنا ہوگا۔ یہ کیوں ایسا ہوتا ہے؟ اس لئے ہوتا ہے کہ ہم صرف انہیں کتاب وحکمت پڑھاتے رہتے ہیں تزکیہ نہیں کرتے!

کتاب وحکمت کے الفاظ وحروف دماغ تک رہتے ہیں اُن کا کام ہے کہ ہم جب کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ بتائیں۔ سارا دین کیا ہے؟ کام کرنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ دل میں جو بات اترتی ہے وہ تزکیہ ہے دین کا وہ حصہ جو برکات نبوت سے تعلق رکھتا ہے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

حضرت عمار ابن یاسر رضی تعالے عنہ کا خاندان مشرف بہ اسلام ہوا مکہ مکرمہ میں اور یہ خاندانی غلام آرہے تھے اہل مکہ کے۔ خاندان کیا تھا چار افراد تھے ایک اُن کی ہمشیرہ تھی ایک بوڑھی والدہ تھی عمر رسیدہ اور ایک بزرگ باپ تھے حضرت یاسرؓ تو ان چاروں کو چونکہ غلام ابن غلام آرہے تھے اُن کا کوئی حمایتی تھا نہیں۔ مسلمان خود سارے ظلم وجور برداشت کر رہے تھے تو ابوجہل نے اُن سب پر بے پناہ مظالم توڑے اُن کے ہاتھ پاؤں باندھ کر لٹا دیا جاتا گرم لوہے سے داغا جاتا" کوڑے مارے جاتے" طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتیں۔ بلکہ اُن کی سیرت میں ملتا ہے کہ شام کو چھوڑ دیا جاتا تو رات بھر ان چاروں میں سے کسی ایک میں ہمت نہیں ہوتی تھی کہ دوسرے کو گھڑے سے پانی ڈال کر پلا دے اتنا مارا جاتا تھا تو جب کوئی بات انہوں نے مان کر نہ دی تو ابوجہل کو اس عمر رسیدہ خاتون پہ بہت غصہ آیا وہ پہلی خاتون شہید ہیں اسلام کی جن کا خون مکہ کی سرزمین میں جذب ہوا تو وہ اُن کے سینے پہ چڑھ بیٹھا اور اُس نے کہا کہ میں تمہیں خنجر اتار دوں گا تم دل سے نہ کہو میرا بھرم رکھنے کے لئے آخر میں عرب کے

نامور سرداروں میں سے ہوں۔ میں صرف مکہ کا سردار نہیں ہوں میں عرب کے نامور سرداروں میں سے ہوں۔ میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ ایک بوڑھی عورت جو غلام تھی کنیز تھی اُس نے بھی میری بات نہیں مانی۔ تو میرا بھرم رکھنے کے لئے زبان سے کہہ دو کہ اللہ ایک نہیں ہے اور یہ لات ومنات ہی خدا ہیں میرا بھرم رہ جائے۔ تو وہ مسکرا دیں انہوں نے کہا تم پاگل ہو مجھے بھی پاگل ہی سمجھتے ہو جب وہ ہے ہی ایک میں کیسے کہہ دوں۔ یعنی اگر تم پاگل ہو تم بے وقوف ہو تو مجھے بھی پاگل سمجھتے ہو جب وہ ہے ہی ایک۔ یہ تزکیہ تھا یہ بات کس طرح دل میں اتر گئی کہ جان کی بازی لگ گئی لیکن یہ خیال تک نہیں آتا تھا کہ انہوں نے کہا کہ میں کیسے کہہ دوں۔ میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ایک بوڑھی ضعیف عورت کہہ دے گی تو کیا ہوگا وہ تو ہے ہی ایک تو میرے کہنے سے کیا ہوگا۔ اُس نے بڑی بُری طرح سے انہیں شہید کیا۔ خنجر مارا پھر اُس نے اُن کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں سے باندھ کر مختلف سمت میں دوڑا دیئے۔ اُن کا جسم چیر کر دو حصوں میں ہو گیا لیکن آخری دم تک اُن کی بات یہی تھی کہ وہ تو ہے ہی ایک۔ یہ ہوتا ہے تزکیہ یعنی جو تعلیمات نبوت ہیں وہ دل میں اُتر کر حال بن جائیں کسی دلیل کی ضرورت نہ رہے۔ اسلام کیا ہے صرف یہ دلیل کافی ہو کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بات ختم۔

میرے پاس اگلے دن بھی ڈاک آئی اور اُس میں وہ بڑا زبور اور تورات کے حوالے سے قرآن کی یہ بات صحیح ہے زبور اور تورات کے حوالے سے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی مجھے علماء پہ بھی حیرت ہوتی ہے جو قرآن کی صداقت کو زبور و تورات کا محتاج سمجھتے ہیں زبور و تورات اللہ کی کتابیں تھیں جو اللہ نے اُتارا تھا وہ حق تھا اُن کا عرصہ حیات ختم ہوا۔ اُن کی مدت ختم ہوئی پھر اُن کی حفاظت نہیں ہوئی۔ اُن میں تحریف ہوگئی وہ بدل گئیں۔ وہ کچھ بھی کہتی رہیں۔ ہمیں اُس سے کیا لینا دینا۔ ہمارے لئے تو کافی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا۔ کسی تورات کی کسی زبور کی کسی دوسری کتاب کی تائید کی ضرورت قرآن کو نہیں ہے۔ ہاں اگر اُن میں کوئی قرآن کے مطابق بات ملتی ہے تو یہ اُن کے لئے باعث شرف ہے کہ یہ بات ابھی ان میں حق باقی رہ گئی ہے اس میں تحریف نہیں ہوئی۔ تورات میں یا زبور میں۔

حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے۔ کہیں سے کوئی بوسیدہ ورق تورات کا مل گیا۔ کسی نے انہیں دیا۔ وہ اُسے مطالعہ فرما رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ جلوہ افروز ہوئے حجرہ مبارک سے مسجد نبوی میں۔ آپؐ نے پوچھا "کیا ہو رہا ہے؟" "یا رسول اللہ ﷺ یہ تورات کا ایک ورق مل گیا تھا تو اسے دیکھ رہے تھے آپ ﷺ کا رخ انور متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ فرمایا قرآن حکیم کے ہوتے ہوئے تورات سے کیا تلاش کر رہے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا "عمرؓ" اللہ کی قسم اگر آج موسیٰ علیہ السلام اس عالم کل

میں موجود ہوں اس طرح حیات میں تو ما وسعہ الا اتباعی ۔ اُن کے لئے بھی میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا ۔ اس زمانے کی تورات کو کہاں لئے پھرتے ہو اگر خود موسیٰ علیہ السلام آج یہاں موجود ہوں تو میرے اتباع اور میری اطاعت کے علاوہ اُن کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے ۔ پھر کیا ضرورت ہے تمہیں ۔ تورات کو ہم مانتے ہیں اللہ کی کتاب تھی اللہ نے نازل فرمائی حق تھی انجیل حق تھی، جتنی کتابیں اللہ نے ظہور کیں حق تھیں لیکن قرآن جو ہے وہ اُن کی شہادت کا محتاج نہیں ہے ۔ بلکہ اگر قرآن کے مطابق ان میں کوئی بات آج بھی موجود ہے تو یہ اُن کے لئے عظمت کا سبب ہے کہ اس بات میں تحریف نہیں کی گئی اُن کا یہ جملہ محفوظ ہے ۔ قرآن کو اسلام کو دین کو کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں ہے ' محمد رسول اللہ ﷺ کا فرما دینا کافی ہے ۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کہیں سفر فرما رہے تھے ریل میں اور وہ اُس میں تھے جو ڈبے مخصوص ہوتے ہیں اس میں اُن کے ساتھ ایک انگریز مسافر بھی تھا دو آدمی تھے ڈبے میں اُس میں اُن کے ساتھ ایک انگریز مسافر بھی تھا دو آدمی تھے ڈبے میں اُس میں دو بنی ہوتی ہیں الگ الگ سیٹیں اور بستر وغیرہ ۔ انگریز کے ساتھ اُس کا کتا بھی تھا ۔ تو کتے نے جب مولانا کی طرف منہ کیا اور اُن کے قریب جانے کی کوشش کی تو انہوں نے اُس سے فرمایا کہ بھئی اس کو اپنے تک محدود رکھو ۔ یہ تمہارا کتا ہے اسے زنجیر ڈال لو اور اپنی کرسی کے ساتھ رکھو یہاں میری طرف نہ آنے دو ۔ تو وہ فوراً معترض ہوا کہ آپ مسلمانوں کو تو دعویٰ ہے کہ آپ انسانیت سے بلکہ کائنات سے محبت کرتے ہیں اور سب پر رحمت کرتے ہیں اور آپ کا نبی ﷺ کائنات کے لئے باعث رحمت ہے تو کائنات میں تو اللہ کی مخلوق ہی ہے یہ کتا بھی مخلوق ہے آپ اس سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میرا جو حقیقی جواب ہے وہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نجس ہے اور اس کے چھونے سے لباس ناپاک ہوتا ہے ۔ ہاتھ لگانے سے ہاتھ ناپاک ہوتے ہیں اس لئے اس سے دور رہو ۔ تو میں نے نمازیں ادا کرنی ہیں اس لئے میں اسے چھونا نہیں چاہتا ۔ میری دلیل تو یہ ہے لیکن یہ بات تیری سمجھ میں نہیں آئے گی ۔ اس لئے کہ تو تو حضور اکرم ﷺ کی عظمت سے آشنا نہیں ہے تیرے لئے جواب یہ ہے کہ جو اپنی قوم کا دشمن ہو تم انگریز اُسے پالتے ہو اور ہم ایسے سے نفرت کرتے ہیں ۔ تیرا جواب یہ ہے کہ جو اپنی قوم کا دشمن ہو تم انگریزوں کو بڑا اچھا لگتا ہے لیکن ہم ایسوں سے نفرت کرتے ہیں ۔ بہر حال انہوں نے جواب جو تھا وہ اپنا یہ دیا کہ چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے یہ نجس ہے ۔

تو مسلمانوں کے پاس سب سے بڑی دلیل کیا ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کا فرما دینا سب سے بڑی دلیل ہے اور اسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی جب یہ بات دل میں اتر جائے اور اگر دل میں نہ اترے تو پھر تو لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے رہتے ہیں

دین کے ہر رکن پہ اعتراض ہوتا ہے ہر حکم پہ اعتراض ہوتا ہے' ہر خبر پہ اعتراض ہوتا ہے۔ یہ اعتراضات کیوں ہوتے ہیں؟ وہ کیفیات دل میں نہیں ہوتیں!

اس تزکیے کا ترجمہ جب قرآن کریم پھیلا تو دینی کام جو عملی سطح پر ہوا وہ سب سے زیادہ فارسی میں ہوا۔ فارسی پہلے فتح بھی ہوا اور فارسی نے بڑے بڑے اہل علم بھی پیش فرمائے محدثین کی اکثریت ہمیں فارس سے ملتی ہے اور قرآن کریم کا پہلا ترجمہ فارسی میں ہوا غیر ملکی زبانوں میں سے تو فارسی میں ''تزکیے'' کا ترجمہ ''تصوف'' کر دیا گیا۔ بعد میں لکھنے والوں نے بہت سی باتیں بنائیں وہ صوف پہنتے تھے اس لئے انہیں صوفی کہا جانے لگا۔ وہ الگ رہتے تھے یہ ساری باتیں ہیں کوئی تصوف کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ صوف پہنے بلکہ تصوف کی شرط یہ ہے تزکیے کی شرط یہ ہے کہ جو جس حال میں رہتا ہے۔ اپنے اُسی حال میں اُسی لباس میں رہے اگر وہ غیر شرعی نہیں ہے تو تصوف کے لئے لباس نہ بدلے۔ نہ بنائے یہ تو تصوف میں منع ہے تو پھر اسے صوف سے صوفی کیسے کہنے لگ گئے۔ یہ لباس خاص کر لینا یہ تو تصوف کی ابتدائی باتوں میں سے ہے منع ہے کہ جو جس لباس میں رہتا ہے جس طرح زندگی گزارتا ہے جو اس کا پیشہ ہے جو کاروبار ہے کوئی خلاف شریعت بات ہے تو وہ چھوڑ دے۔ شرعی حدود کے اندر دکاندار دکانداری کرے سپاہی اپنی ملازمت کرے' مجاہد اپنا جہاد کرے' عالم اپنا علم پڑھائے جو جس کا کام ہے۔ جس شعبہ زندگی میں جو اُس کا لباس ہے اُس میں رہے اور ان کیفیات کو دل میں اُتارنے کی کوشش کرے۔

وہ کیفیات کہاں سے ملیں؟ کیسے آئیں؟ قرآن حکیم تو بازار میں کتاب مل جاتی ہے ہم اٹھا کے لے آتے ہیں ہم پڑھ سکتے ہیں الحمدللہ۔ دنیا کی ہر زبان میں اُس کا ترجمہ اُس کی تفسیر مل جاتی ہے ہم پڑھ سکتے ہیں۔ پڑھانے والے مل جاتے ہیں اُن سے پڑھ سکتے ہیں حدیث شریف کی ہر کتاب ہر علمی کتب خانے سے مل جاتی ہے اور ہم وہاں سے لا بھی سکتے ہیں۔ ہر زبان میں اُن کا ترجمہ مل جاتا ہے خود پڑھ سکتے ہیں پڑھانے والے بتانے والے مل جاتے ہیں اُن سے جا کر پوچھ سکتے ہیں۔ تو یہ کیفیات کس دکان پہ کس کتب خانے پہ کس جگہ پر کہاں ان کی کوئی دکان ان کی کوئی ایسی جگہ جہاں سے یہ کیفیات بھی دل میں انڈیلی جا سکیں؟ تو ان کی پہلی دکان تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اُن کے قلوب اسی طرح روشن ہوئے' بارگاہ نبوی ﷺ میں تو یہ دولت بٹتی نہیں تھی تھی۔ کہ جس کی نگاہ ایمان کے ساتھ حضور ﷺ پر پڑ گئی یا حضور ﷺ کی نگاہ نے اُسے دیکھ لیا۔ حضور ﷺ کی نگاہ میں وہ آ گیا تو کیفیات کا خزانہ اُس کے سینے میں انڈیل دیا اور وہ شرف صحابیت سے مشرف ہو گیا۔ صحابی وہ منزل ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر ولی اللہ کتنا قابل احترام ہے اگر دنیا کے جتنے افراد ہیں سارے ولی ہو جائیں۔ سب کی ولایت جمع کی جائے تو بھی صحابی کی گرد پا کو نہیں

سمجھ سکتے صحابیت اتنا بلند مقام ہے! تو ایک نگاہ نے اُسے شرف صحابیت سے بہرہ ور کر دیا۔

وہ تو اک نظر تھی محمد رسول اللہ کی جو زندگی میں کسی کو ایک نصیب ہو گئی دل بک گئے دل فروخت ہو گئے دل اپنے نہ رہے۔ دل غلام ہو گئے محمد رسول اللہ ﷺ کے۔ دلوں کا تزکیہ ہو گیا' بندہ صوفی بن گیا۔ ہر صحابی تو اس درجے پہ ممتاز تھا' وہ تو نگاہ نبوی ﷺ سے سرفراز تھا' کوئی قید نہیں تھی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جنہی کتابیں تو جو پڑھتا ہے وہ عالم بن جاتا ہے۔ اب جس نے کتابیں نہیں پڑھیں وہ کیا کرے؟ تزکیے کے لئے کتابیں پڑھنا شرط نہیں تھا بلکہ تزکیہ شرط تھا کتابوں کے پڑھنے میں تزکیہ ہو جاتا تو کتابیں پڑھنا سہل ہو جاتا اُن کے مفاہیم دل میں اُترنے لگتے اور بندہ آمادہ ہو جاتا کام کرنے پہ۔

آپ ایک کام نہیں کرنا چاہتے۔ ایک ایسی ٹیکنالوجی ہے ایک ایسی انجینئرنگ ہے' وہ کام آپ نہیں کرنا چاہتے کوئی اُس کی بک لیٹ آپ کو دے دیتا ہے یہ پڑھو آپ پڑھتے رہیں بیزاری سے ہی پڑھیں گے۔ میں نے جب یہ کام ہی نہیں کرنا اس پہ تو میں کیا کروں۔ لیکن اگر وہ کام آپ کرنا چاہتے ہیں کوئی آپ کو اُس کی بک لیٹ بھی لا کے دیتا ہے تو آپ اُس کے ممنون ہوں گے کہ یہ تو میں کرنا چاہتا تھا۔ آپ کتاب کا ایک ایک جملہ غور سے پڑھیں گے پھر اُس کے مطابق وہ کل پرزے جوڑنے کی کوشش کریں گے کہ وہ چیز جو میں بنانا چاہتا ہوں بن جائے اگلا جملہ پڑھنے سے پہلے آپ چاہیں گے کہ پہلے جملے پر عمل کر لوں کہ یہ بھول نہ جائے اگر پہلے صفحے پہ لکھا ہے کہ اس کا بنیادی ڈھانچہ اس طرح سے جوڑنا ہے تو اگر آپ کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ پہلے صفحے پہ رُک کر پہلے وہ ڈھانچہ جوڑیں گے کہ دوسرا صفحہ پڑھوں تو یہ ترکیب بھول نہ جائے پھر دوسرا پڑھیں گے تو یہ آگے فلاں تار فلاں جگہ اس طرح کرنے لگ جائیں گے۔

یہی طریقہ ہے تصوف کا کہ دل میں وہ کیفیات نبوت برکات نبوت اُتر جاتی ہیں اور دین پر عمل کرنے کو دل چاہتا ہے پھر کتاب و حکمت راستہ بتاتی جاتی ہے بندہ چلتا چلا جاتا ہے۔ اب اُس کے دل میں وہ شوق تو آپ نے پیدا کیا نہیں اُسے کتابیں پڑھا رہے ہیں وہ بھی پڑھ رہا ہے طوطے کی طرح رٹ لے گا زبانی یاد کر لے گا۔ کام تو وہی کرے گا جو اس کے دل کو پسند ہو گا تو یوں عملی زندگی میں صرف ظاہری علم سے اصلاح نہیں ہوتی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تو یہ ملا صرف علما کو نہ ملا۔ آنے والے ہر شخص کو امیر غریب بچے بوڑھا مرد عورت جو بھی نگاہ ناز میں آ گیا۔ شرف صحابیت سے سرفراز ہو گیا یہ کیفیت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین میں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ بھی روشن تھے براہ راست نور نبوت سے اُن کے سینے منور تھے۔ جو لوگ پھر ان کی محفل میں بیٹھ گیا وہی تابعی ہو گیا۔ تابعین میں بھی یہ قوت بدرجہ اتم موجود تھی کہ ان کی صحبت میں بھی جو پہنچا تبع تابعین

کا ایک الگ طبقہ بن گیا۔ اب تبع تابعین میں آ کر وہ قوت ایسی نہیں رہی کہ ایک نگاہ میں ہر آنے والے کے دل میں کیفیات اتر جائیں اسے ان کے پاس بیٹھ کر متوجہ الی اللہ ہو کر اللہ کا ذکر کرنا پڑا۔ دل کو روشن کرنا پڑا دل کو صاف کرنا پڑا انہوں نے اپنے دل سے توجہ کی وہ برکات اس کے دل میں انڈیلنا شروع کیں اس پر متوجہ ہوئے اس نے اپنے دل کو اللہ اللہ سے صاف کیا تو وہ برکات اس دل میں اترنے لگیں اور وہ خواہش اس میں بھی آنے لگی کہ مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں محمد ﷺ کی غلامی کرنا چاہتا ہوں۔ تصوف کیا ہے کہ میں ارشادات نبوی ﷺ کو اپنانا چاہتا ہوں۔ ارشادات نبوی ﷺ کیا ہیں کہ دنیا کی ہر ذی روح کو جینے کا حق ہے ہاں جو طریقہ شریعت نے دیا ہے جو چیزیں تمہارے لئے حلال فرمائی ہیں انہیں تم ذبح کر کے کھاتے ہو لیکن جو حلال نہیں ہیں انہیں محض تفنن طبع کے لئے کتوں کی لڑائی کرا کے انہیں مروا دینا شرعاً حرام ہے۔ محض خون بہانے کے لئے شوق سے درندوں کو مارتے پھرنا جائز نہیں ہے۔ نقصان کرتے ہیں تو ماریں۔ انسانوں کے تحفظ کے لئے درندوں کو مارنا پڑے تو ایک جواز ہے لیکن خون بہانے کے شوق میں تو آپ درندوں کو بھی نہیں مار سکتے۔ کافر کو محض کافر کہہ کے آپ قتل نہیں کر سکتے۔ ہاں وہ دنیا میں فساد پھیلا رہا ہے ظلم کر رہا ہے آپ ظلم کو روکنا چاہتے ہیں تو اگر وہ ظلم سے باز آ جائے پھر بھی آپ کی تلوار اس پہ نہیں اٹھے گی۔ پھر آپ کی بندوق اس کی طرف نہیں جائے گی۔ ہاں جب تک وہ ظلم کا حامی ہے آپ ظلم کے مخالف ہیں۔ آپ ظلم کے مخالف ہیں آپ نور پھیلائیں گے آپ ظلم کے مخالف ہیں اسلام عدل پھیلائے گا لیکن بلاوجہ کسی کی جان و مال کو آبرو کو نہیں چھیڑ سکے گا۔ تو یہ ہوتا تب ہے کہ تصوف یا تزکیہ وہ کیفیات اگر قلب میں آ جائیں۔ چنانچہ تبع تابعین کے بعد اللہ کے گنتی کے ایسے بندے پیدا ہوئے جنہوں نے عمریں لگائیں محنتیں کیں ان کی خدمت میں رہے اور یہ برکات حاصل کیں اس لئے صوفیاء کا ایک طبقہ الگ ہو گیا۔

صحابہ میں الگ طبقہ نہیں تھا سارے صحابی تھے تابعین میں کوئی الگ طبقہ نہیں تھا سارے تابعی تھے کوئی علم میں ممتاز ہے ورع وتقویٰ میں ممتاز ہے وہ الگ بات ہے لیکن تابعی سارے تھے۔ تبع تابعین سارے تبع تابعین تھے کوئی ان میں ورع تقویٰ میں ممتاز ہے کوئی جہاد میں انفرادی اوصاف ہیں وہ الگ ہیں لیکن بنیادی صفت جو ہے تبع تابعی ہونے کی وہ سب کی تھی تبع تابعین کے بعد پھر گنتی کے لوگ آ گئے اور وہ صوفی کہلائے تو ایک الگ طبقہ بن گیا نا۔ پھر ہر کسی میں تو یہ جرات نہ رہی ایک الگ طبقہ بن گیا لیکن ان صوفیوں کی تاریخ تب سے اب تک یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ برکات حاصل کرنے کے لئے محنتیں تہیں کیں۔ وہ ان صوفیوں کے پاس پہنچے انہوں نے ان کے دلوں میں وہ کیفیات انڈیلیں اور یوں وہ اصلاح خلق کا سبب بنتے رہے۔ بے

خشک تاریخ میں آپ پڑھیں گے کہ سلاطین نے حکمرانوں نے بادشاہوں نے ممالک فتح کئے لیکن صرف ممالک فتح کئے قلوب ہمیشہ صوفیوں نے فتح کئے۔ زمین پر قبضہ سلاطین نے افواج نے کیا۔ ملکوں کی سرحدیں بدل دیں لیکن دلوں کی ریاست میں کوئی سلطان کوئی فوج کوئی لشکر نہیں جھانک سکا۔ دل اپنی جگہ رہے۔ دلوں کی سلطنتیں ہمیشہ صوفیوں نے فتح کیں اور تصوف یا تزکیہ اتنا اہم ہے اسلام میں کہ اسے اللہ نے تعلیم کتاب وحکمت سے پہلے جگہ دی۔

پھر دنیا میں بہت سے لوگ معروف ہوئے پھر ان سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے اُن کے نام سے پھر سلاسل تصوف چل نکلے اور بے شمار برکات جہان میں اُن کی بٹیں۔ ہمارے ہاں سلاسل اربعہ معروف ہیں لیکن یہ کوئی آخری گنتی نہیں ہے بلکہ دنیا میں بے شمار سلاسل ہوئے۔ بعض کے لوگ دنیا سے اٹھ گئے سلسلے ختم ہوگئے' بعض ابھی تک دنیا میں موجود ہیں' الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ' میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سولہ سلسلوں کا یا چودہ سلسلوں کا تذکرہ کیا ہے جب کہ اُس وقت بھی برصغیر میں تو یہ چار ہی موجود تھے۔ تو اُس سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں وہ تو وہ تھے جو اُن کے علم میں آئے اور جو معروف تھے لیکن بہر حال یہ لوگ ہمیشہ رہے اور ایک بات اور بھی میں عرض کردوں کہ دین کا محافظ اللہ ہے۔

نحن نزلنا الذکر وانا لہ' لحفظون. قرآن حکیم نصیحت کی کتاب اور ذکر اپنی یاد ہم نے اُتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ قرآن کی حفاظت میں کیا کیا آتا ہے؟ یوں تو قرآن علم الٰہی میں محفوظ ہے۔ لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ پھر اُس کی حفاظت وہاں تو ہو رہی ہے یہ جو حفاظت ارشاد فرمائی گئی یہ اس دار دنیا میں ہوگی۔ کیا دار دنیا میں صرف عبارت کی حفاظت ہوگی اور قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے ختم ہو جائیں گے۔ اگر قرآن کو کوئی سمجھے ہی نہیں۔ کوئی اُس پر عمل ہی نہ کرے تو کونسی حفاظت ہوئی۔ یہ حفاظت اُن سب کو محیط ہے کہ لوگ قرآن کو یاد بھی کریں گے' لوگ قرآن کو سمجھیں گے بھی اور لوگ قرآن پر عمل بھی کریں گے یہ جو عمل کرنے کا کام ہے اس کی قیادت صوفیوں کے پاس رہی اور ہمیشہ رہے گی۔"

ایک انقلاب آیا روس میں سرخ انقلاب ایک سرخ آندھی آئی ہر چیز کو اڑا کر بہا کر لے گئی۔ حتیٰ کہ مساجد کو اصطبلوں میں تبدیل کر دیا گیا' گھروں کو اُجاڑ دیا گیا' شرفا کو ذلیل کر دیا گیا اور دین کا نام لینا ممنوع قرار دے دیا گیا اذان پر پابندی لگ گئی' نماز پر پابندی لگ گئی' پردے پر پابندی لگ گئی اور یہ پابندی تہتر برس یعنی صدی مسلسل جاری رہی۔ تہتر برس یہ ظلم جاری رہا' دو نسلیں گزر جاتی ہیں تہتر برسوں میں۔ جب تیسری نسل آئی تو اس نے اُس میں تنگ ہو کر چونکہ غیر فطری نظام تھا اُس میں کچھ کشادگی کی اُسے کچھ توڑا۔ اُن پابندیوں کو کچھ توڑا تو خیال یہ تھا اُن کا کہ اب اسلام کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ لیکن جب وہ

پابندیاں تھیں تو پھر پیچھے سے نمازی نکل آئے اور وہ ان کی بھی تو آخر دوسری نسل تیسری نسل آ گئی تھی تو انہیں کس نے نمازیں پڑھائیں؟ اس پر ایک روسی تجزیہ نگار تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس بات کی ہمیں سمجھ نہیں تھی کہ ان میں کچھ ذاکرین اور کچھ صوفی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور وہ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ان جذبات کو دلوں میں اُتار دیتے ہیں۔ تو ہمارے ہاں جو صوفی یا سلسلے تھے ذاکرین کے سلسلے تھے وہ زیر زمین چلتے رہے۔ لوگ اُن سے برکات لیتے رہے لوگ دین سیکھتے رہے اور جتنا ممکن تھا اُس پر عمل کرتے بھی رہے اور جیسے پابندی ہٹی تو پھر مسلمانوں کے مسلمان نکل آئے تو اُس کی بقا کا سبب اُس تجزیہ نگار نے تصوف کو اور ذکر الٰہی کو رکھا کہ ان میں ذاکرین تھے صوفیا تھے جو دلوں میں ان جذبات کو منتقل کرتے رہے نسلاً بعد نسلاً اور جب یہ ظلم کی تاریکی ہٹی سرخ آندھی جب تھوڑی سی چھٹی تو پھر درمیان سے صدا آنے لگی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔

سو تحفظ قرآن جو اللہ کا جو وعدہ ہے یہ سب سے پہلے ان صوفیوں کو حاصل ہے یہ ہمیشہ رہیں گے یہ برکات محمدی ﷺ ہمیشہ دلوں میں انڈیلتے رہیں گے اور یہ جذبات بنیادی طور پر یہ جذبات پیدا کرتے رہیں گے کہ مجھے حضور ﷺ کی غلامی کرنی ہے۔ مجھے بتاؤ حضور ﷺ فرماتے کیا ہیں۔ اس لئے قرآن نے اپنی ترتیب میں کتاب وحکمت کو تزکیے کے بعد رکھا ہے کہ جب تزکیہ ہوگا؟ تصوف آئے گا تو دل میں ایک جذبہ آئے گا' دل میں ایک طوفان اُٹھے گا کہ میں کیا کرتا رہا ہوں اب مجھے حضور ﷺ کی غلامی کرنا ہے۔ اب اُسے غلامی کون بتائے؟ کتاب وحکمت بتائے گی۔ اللہ کا قرآن بتائے گا' نبی ﷺ کی حدیث بتائے گا کہ تمہیں یہ کرنا ہے۔ پھر یہ اس مکینک کی طرح کام کرے گا کہ جو چاہتا تھا کہ یہ چیز میں بناؤں اُس سے بن نہیں رہی تھی۔ آپ نے اُسے ''بک لیٹ'' دے دی وہ خوش ہو گیا' ایک ایک سطر کو پڑھ کر اس کے مطابق کام کر رہا ہے۔ اسی طرح جب یہ اپنی زندگی کو دنیا کو انسانیت کو سنوارنے کا ایک جذبہ اُس کے دل میں اُتر جائے گا پھر آپ اُسے قرآن پڑھائیں گے وہ اس پر عمل کرے گا۔ پھر آپ اُسے حدیث سنائیں گے وہ اُس پر عمل کرے گا پھر وہ جرح قدح نہیں کرے گا۔ اُسے اعتراض نہیں سوجھیں گے وہ اس پہ لے دے نہیں کرے گا بلکہ آپ کا شکر گزار ہوگا کہ آپ کا بہت شکریہ آپ نے میری منزل آسان کر دی۔ آپ نے میری مشکل حل کر دی۔ آپ نے مجھے بتا دیا کہ مجھے اس طرح سے کرنا ہے۔ مجھے ظلم کو روکنا ہے مجھے عدل کو پھیلانا ہے مجھے جہالت کو روکنا ہے مجھے علم کو پھیلانا ہے۔ کفر کیا ہے؟ اگر مجھ سے پوچھیں تو میں کہتا ہوں اسلام کفر کے مقابلے میں نہیں آیا اور یہ بڑی عجیب بات ہے جو میں ہی کہہ سکتا ہوں۔ اسلام بنیادی طور پر جہالت کے مقابلے میں آیا ہے۔ کفر جہالت کا پھل ہے۔ اصل درخت جو ہے وہ جہالت ہے لوگ اللہ سے بے بہرہ تھے اس کی عظمت سے بے بہرہ تھے حق وعدل سے بے بہرہ تھے جاہل تھے جہالت کا جو درخت ہے

اس پر جو پھل لگتا ہے وہ ظلم ہے وہ کفر ہے۔ اسلام پتے اور شاخیں نہیں توڑتا اسلام برائی کی جڑ اکھیڑتا ہے۔ اسلام بنیادی طور پر جہالت کے خلاف ہے۔ اسلام نور ہے جہالت ظلمت ہے اسلام نے اس درخت کی جڑ اکھیڑ دی۔ بنیادی طور پر لوگوں کو علم سے آشنا کیا۔ پہلا علم تھا اللہ کے بارے اُس کی ذات اور اُس کی صفات کے بارے۔ اللہ کی رسالت کے بارے اللہ کی کتاب کے بارے۔ اُس کے ساتھ اُتنا ہی اہم تھا امور دنیا میں کہ دنیاداری میں کس طرح سے رہنا ہے۔ ہماری یہ بدنصیبی کہ ہم نے صرف قرآن وحدیث اور فقہ کے علم کو دین سمجھ لیا۔ دنیا میں رہنے کا طریقہ جاننا بھی دین ہے اس لئے کہ دین عملی زندگی کا نام ہے آپ نے دولت کس طرح کمانی ہے یہ جاننا دین ہے اس لئے کہ اس پر عمل کریں گے تو رزق حلال حاصل کریں گے۔ آپ کے اپنے حقوق کیا ہیں دوسرے کے حقوق کیا ہیں۔ آپ جانیں گے نہیں تو اپنے حق کا مطالبہ کیا کریں گے۔ جانیں گے نہیں تو دوسرے کا حق کس طرح دیں گے تو آدھا علم قرآن وسنت کو پڑھنا فقہ کو پڑھنا ہے اور آدھا علم امور دنیا کو جاننا ہے۔ جیسے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

العلم علمان۔ علم جو ہے اس کے دو حصے ہیں علم الادیان وعلم الابدان۔ دین کا سیکھنا۔ Normative Sciences عقائد اخلاقیات حدود وقیود۔ فزیکل سائنسز دنیا میں کرنا کیا ہے' خرید وفروخت کیسے کرنی ہے' لین دین کیسے کرنا ہے' صلح جنگ کیسے ہوگی' ہمیں اپنے لئے سہولتیں پیدا کرنے کے لئے کیا کیا اسباب ہم اختیار کر سکتے ہیں' کیسی مشینیں بنائی جائیں گی' ان کو کیسے استعمال کیا جائے گا۔ اس لئے ایجادی دنیا میں پہلے نمبر پر مسلمان ہیں پوری دنیا پہ جب جہالت تھی۔ ایجادات کی دنیا کے پہلے صناع اور پہلے کاریگر مسلمان ہیں! ہر صنعت کی بنیادی مسلمانوں نے تلاش کی۔ خواہ وہ میڈیکل سائنس میں تھی طب وحکمت میں تھی' میدان کارزار میں تھی' کاروبار حیات میں تھی' خرید وفروخت میں تھی بحری جہاز بنانے میں تھی یا کسی شعبہ زندگی میں تھی۔ بارود سے لیکر بحری بیڑوں تک کے موجد مسلمان تھے۔ تو اسلام نے جو زور دیا ایک طرف عقائد ونظریات دوسری طرف عملی زندگی تو ان دونوں کو سیکھنا العلم کہلاتا ہے۔ کیا آپ اس بات سے نہیں واقف کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو جو بدر کے قیدی تھے کتنے بدترین لوگ تھے وہ جو کفر پر اڑے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف شمشیر بکف تھے۔ اس سے بڑا گناہ کا کوئی تصور ہے فدیہ لے کر آزاد کر دیئے گئے۔ بعض ایسے رہ گئے جن کے پاس فدیہ نہیں تھا۔

بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی کچھ ایسے ہیں جن کے پاس فدیہ دینے کو نہیں ہے فرمایا انہیں کچھ پڑھنا لکھنا آتا ہے تو مدینے کے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں یہ اُن کا فدیہ ہے۔ مکے کے کافروں نے کیا انہیں قرآن سکھانا تھا۔ وہ تو یہ مانتے نہیں تھے۔ اس کا

مطلب ہے کہ علوم دنیا' کاروبار کا علم' تجارت کا علم' مشینری کا علم جو ان کے پاس جو چیز وہ جانتے ہیں وہ ہمارے بچوں کو سکھادیں آدھا دین تو یہ ہے جو عملی زندگی میں کرنا ہے۔ تو جو شعبہ دین کا عقائد ونظریات ہے اُس کا تعلق تزکیے سے ہے۔ یتلوا علیھم ایتہ. عقائد وعبادات کی تلاوت' احکام الٰہی اُس کے بعد تزکیہ۔ وہ کیفیات دل میں اُتر گئیں دل میں ایک جذبہ جاگا۔ مجھے اللہ کی اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرنا ہے۔ اب اُسے کتاب اور حکمت اُس کے سامنے آگئی کہ اس طرح سے اطاعت کی جائے گی یا اللہ کا حکم ہے ایسا کرنے کا یا اللہ کا حکم ہے ایسا نہ کرنے کا۔

تو آپ تاریخ اسلام کو اٹھا کر دیکھیں جب بھی مسلمانوں نے عملی زندگی میں اُس جذبے کو اُبھارا اور اُسے کام میں لائے اور اتباع رسالت ﷺ اختیار کیا تو مسلمانوں کو ہمیشہ ترقی نصیب ہوتی گئی اور اقوام عالم اُن کے زیر سایہ آتی گئیں اور جب جب عیاشی میں لگ گئے اور اُس میں خرافات میں لگ گئے اور یہ جذبات سرد پڑ گئے اور دنیا کی رنگینی میں کھو گئے تو پھر کفار اوپر آنے لگ گئے اور مسلمانوں پہ ادبار چھا گیا۔ اگر آپ کو آج کے اپنے زمانے سے شکایت ہے کہ آج کفر کی طاقتیں بہت بڑھ رہی ہیں اور مسلمان دنیا میں پٹ رہے ہیں تو علاج اس کا بھی یہ ہے کہ ان سب کو صوفی بنادو۔

صوفی گوشہ نشین نہیں ہوتا' صوفی خرقہ پوش نہیں ہوتا۔ صوفی ایک ایسا غلام بن جاتا ہے بارگاہ رسالت ﷺ کا جو ضرورت پڑنے پر شمشیر اٹھا سکتا ہے' شمشیر استعمال کر سکتا ہے' ضرورت پڑنے پر تاجر بھی بن سکتا ہے' ضرورت پڑنے پر مزدور بھی بن سکتا ہے' ضرورت پڑنے پر سلطان اور حکمران بھی بن سکتا ہے' ضرورت پڑنے پر سفیر بھی بن سکتا ہے۔ یعنی صوفی جو ہوتا ہے وہ ہمہ جہت انسان بن جاتا ہے' محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام بن جاتا ہے اور بنیادی طور پر اُس کا دل ایک روشنی بن جاتا ہے جو دنیا پر عدل وانصاف کی روشنی بکھیرتا ہے اور ظلم وجور کو مٹاتا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اس اُمت کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اس طرز پر ہوگی جس طرز پر پہلوں کی ہوئی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ زمانہ گزر جائے گا' صدیاں درمیان میں آجائیں گی' لوگ آپ ﷺ کے زمانے سے دور چلے جائیں گے۔ ہر زمانے کی اپنی برکات ہوتی ہیں۔ سورج ڈوبتا ہے تو کچھ دیر تو روشنی رہتی ہے پھر رات چھا جاتی ہے اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ وقت جو ہے وہ کیفیات کو بدل دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا زمانہ تو خیر القرون ہے۔ آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے۔ آپ ﷺ کے یہ تربیت یافتہ لوگ ہوں گے اُن کی روشنی پھیلے گی۔ لیکن آخر رات چھا جائے گی۔ حضور ﷺ کیا ہوگا؟ فرمایا نہیں ایسی بات نہیں جب رات چھا جائے گی تو وہی طریقہ دہراؤ جو پہلے اصلاح کا سبب بنا ہے۔ یعنی پھر تزکیہ شروع کردو' پھر

قلوب میں نور اللہ لیو پھر اللہ اللہ کرو پھر صوفی بن جاؤ۔

اب ادبار زمانہ نے ہمیں تو یہ سمجھا دیا ہے کہ صوفی بے کار قسم کے لوگ ہوتے ہیں انہیں دنیا کا کوئی کام نہیں آتا انہیں دنیا کی خبر نہیں ہوتی اور وہ ایک گوشے میں پڑے رہتے ہیں یا جنگلوں میں۔ جنگلوں میں رہنے والی مخلوق اللہ نے پہلے تھوڑی پیدا کر دی ہے کہ انسان بھی جنگلوں ہی میں چلا جائے۔ اللہ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے اُس کے جنگل میں جانے کی کیا ضرورت ہے اور جن اکابر صوفیاء کے بارے آپ پڑھتے ہیں کہ وہ جنگلوں میں چلے گئے انہیں حکومتوں نے دھکیل کر جنگلوں میں رہنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ بادشاہوں کو لوگوں کے اُن سے مستفید ہونے اور اُن کے پاس انبوہ ہونے سے خطرے ہونے لگ گئے تھے اور میں آپ کو یہ بات بتا دوں کہ جتنے بزرگ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ سے لیکر بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ تک جن لوگوں کو شہر بدر کر دیا گیا اور یہ جنگلوں میں جا کر مقیم ہو گئے اللہ کی یہ شان ہے کہ تصوف کی جس منزل پر وہ شہروں میں رہتے تھے تو تھے جنگلوں میں اُس پر اُنکا وصال ہوا۔ آگے پھر ترقی نہ ہو سکی۔ جہاں بھی تھے جتنی بڑی منزل پر تھے اللہ جانے وہ جانیں لیکن جس منزل پر تھے اُس سے آگے ترقی نہیں ہوئی۔ کیوں نہیں ہوئی؟ ترقی کا سبب تو معاملات دنیا تھے۔ لوگوں سے برتاؤ تھا کسی کو اللہ اللہ سکھانا' کسی کو علم سکھانا کسی کو ظلم سے روکنا' کسی کو تجارت کا صحیح انداز' کاروبار دنیا' لوگوں کی آبادی کا سبب بننا۔ لوگوں کی بربادی نہ ہونے دینا یہ سبب تھا ترقی درجات کا' جب لوگوں سے الگ ہو گئے معاملات ختم ہو گئے تو ترقی کس بات پر ہوگی؟ تو کون صوفی چاہے گا کہ اُس کی ترقی درجات رُک جائے۔ وہ کیوں جنگل میں جائے گا۔ جنگل میں رہنے کے لئے اللہ نے جو مخلوق پیدا کی ہے جنگل اُس کو زیب دیتا ہے' صوفیوں کو جنگل میں نہ بھیجیں۔ صوفی گوشہ نشین نہیں ہو سکتا خوشبو کسی گوشے میں بند ہو سکتی ہے! پھول تو حسن کی زینت ہوا کرتے ہیں۔ پھول تو گلشن میں کھلا کرتے ہیں کیا بند کمروں میں اور کونے کھدروں میں پھول کھلا کرتے ہیں! یہ سب ادبار زمانہ نے جب حقائق نہ رہے نقل آ گئی تو یہ بڑی بڑی لوگوں نے بڑی بڑی تجویزیں بنائیں۔ چونکہ ہم میں وراثت آ گئی۔ ہمارا یہ موروثی جو نظام ہے۔ ہمارا کیا ہے عالم انسانیت کی یہ عادت ہے۔ مزاج چلا آ رہا ہے قدیم سے کبھی کسی رنگ میں کبھی کسی رنگ میں کبھی کسی رنگ میں ورنہ یہ موروثیت صرف یہاں نہیں امریکہ میں بھی ہے۔ ایک دفعہ جو کانگرس کا ممبر بن جاتا ہے پھر کئی نسلوں تک اُن میں وہی لوگ بنتے رہتے ہیں۔ دوسروں کی باری نہیں آتی۔ ایک دفعہ جو سینٹ کا ممبر امریکہ میں بھی بن جاتا ہے۔ وہ اپنی عمر بھی اُس میں گزار دیتا ہے اُس کے بعد اُس کے بچے بنتے ہیں۔ وہاں بھی یہی طریقہ ہے کہ نوکری لینی ہے سینیٹر کے پاس جاؤ۔ پرمٹ لینا ہے سینیٹر کے پاس جاؤ۔ پانی لگوانا ہے کانگرس ممبر کی سفارش لاؤ۔ وہ لوگ پھر وہی محور و مرکز بن

جاتے ہیں طاقت کا۔ یہی یہاں بھی ہے۔ ایک دفعہ جو نکل گیا بس وہ گھسا بیٹھا ہے اُس کے بیٹے پوتے آ رہے ہیں۔ یہی طریقہ ہم نے صوفیوں میں بھی شروع کر دیا ہے کہ ایک بہت بڑا صوفی ایک بہت بڑا ولی اللہ دنیا سے اٹھ گیا اُس کا بیٹا اَن پڑھ ہے جاہل ہے چور ہے اُس نے باپ سے الف ب نہیں سیکھا۔ ایک دن اللہ اللہ نہیں کیا۔ ہم نے اُسے بڑا سا پگڑ باندھا کر بٹھا دیا اب یہ صوفی ہے۔ وہ تو تھا نہیں بے چارا وہ کیا کرتا ہے اُس نے کہا اچھا چلہ کشی شروع کر دو۔ لوگ پوچھیں گے تو کیا بتاؤں گا۔ آتا جاتا تو کچھ ہے نہیں۔ دروازہ بند کر و اندر بیٹھ جاؤ لوگ ملیں گے ہی نہیں۔ وہ سمجھیں گے بڑے منازل طے کر رہا ہے۔ او جی حضرت بات ہی نہیں کرتے۔ بات ہی نہیں کرتے تو حضرت اس مسند پہ بیٹھے کیوں ہیں۔ جب بات نہیں کرتے۔ بات ہی نہیں کرتے تو حضرت اس مسند پہ بیٹھے کیوں ہیں۔ جب بات نہیں کرنی تو۔ یہ تو مقام ہی بات کرنے کا تھا۔ لوگوں کے مسائل سنتے انہیں اُس کا حل بتاتے۔ لوگوں کی کیفیات سنتے اُن کے دلوں کو سیراب کرتے۔ ورنہ یہ حضرت کا بوجھ ہم نے اپنے سر پہ کیوں اٹھالیا۔ جو نہ بات کرتا ہے نہ کسی کی سنتا ہے نہ دکھائی دیتا ہے ہم خواہ مخواہ اُسے پالتے رہیں اور اپنی کمائی سے پیسے دیتے رہیں۔ لوگ جاہل ہیں شرینیاں دے دے کر خوش ہو رہے ہیں کہ حضرت اگلی دنیا میں کام آئیں گے جو اس دنیا میں آپ کے پاؤں سے کانٹا نہیں نکال سکتا اگلی دنیا میں کونسا تیر چلائے گا۔ پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو جس حضرت سے امید نہیں کی جاسکتی۔ کہ یہ ہمارے پاؤں کا کانٹا نکال دے گا۔

ہمارے گاؤں میں ایک دفعہ پیر آئے تھے اور صبح کا وقت تھا میں گھر سے نکلا کام پر جانے کے لئے گلی میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ تو ایک آدمی نے اُن پر چھتری لگائی ہوئی۔ دن ساڑھے آٹھ بجے کا وقت تھا اُس پہ چھتری لگی ہوئی ایک بندے نے پکڑی ہوئی ہے۔ ایک بندے نے ایک بڑا سا وہ لوٹا لوہے کا وہ پانی کا بھر کے گرم اٹھایا ہوا ہے۔ وہ تین بندوں نے کوئی مٹی کے ڈھیلے چھوٹے چھوٹے اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ جانور بھی رفع حاجت تو گلی پہ کر لیتا ہے۔ چھوٹا سا بچہ کپڑوں میں پیشاب کر دیتا ہے۔ تمہارے پیر صاحب اس قابل ہی نہیں کہ پیشاب کر کے آجائیں۔ یعنی انہیں پانچ بندے چاہیں کہ حضرت رفع حاجت کر کے آئیں تو یہ تمہارے کس کام آئے گا جو خود اتنا محتاج ہے۔ تو پیر صاحب ناراض ہو گئے وہ لوگ اب بھی مجھ سے شکوہ کرتے ہیں کہ تب سے ہم حضرت کے دربار پر جاتے ہیں وہ فوت ہو گئے اُن کا بیٹا ہے لیکن وہ بھی ہمارے گاؤں نہیں آتا۔ یہ تم نے ہمیں محروم کر دیا۔ میں نے کہا بھئی میں نے تو تمہیں ایک سچی بات بتائی اور تمہیں ایک سچا راستہ دکھانے کی کوشش کی اب یہ تمہاری مرضی تم ناراض ہوتے ہو تو ہو جاؤ۔ یہ تصوف نہیں ہے کہ ایک مصیبت ہمارے گلے پڑ جائے اور اُسے ہم پالیں۔ تصوف یہ ہے کہ

لوگوں کے دلوں میں روشنی اور تڑپ کیوہاں بھی پہنچایا جائے جہاں سے وہ آ نہیں سکتے' ہم جا نہیں سکتے۔

آپ لوگوں کو اللہ نے سنت اعتکاف کی توفیق بخشی کچھ لوگ نفل اعتکاف میں آئے کچھ جمعۃ الوداع میں آ گئے تو یہ وہ دکان ہے الحمد للہ یہ وہ دکان ہے جہاں سے وہ درد دل ملتا ہے اور یوں ہی خوش ہو کے نہ جانا کہ میں نے تقریر سن لی مجھے مل گیا اگر تو دل میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے کہ مجھے بتایا جائے اللہ کا اللہ کے رسول ﷺ کا حکم کیا ہے میں اس پہ عمل کروں تو آپ بھی کامیاب ہو گئے ہماری محنت بھی بر آئی اور اگر یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا تو پھر آپ کو فکر کرنا ہو گی کہ میں کیا کیا خریدنے تھا اور لے کر کیا آ رہا ہوں۔ اللہ کریم تمام احباب کو حاضر و غائب سب کو یہ جذبہ حق عطا کرے۔ سب کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا عشق اور محبت پیدا کرے اور حقیقی صوفی بنا دے میں تو دعا کرتا ہوں اللہ کریم ساری دنیا کے مسلمانوں کو یہ درد دل عطا کر دے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

امیر المکرم کے بیانات ٹی۔وی چینلز پر

الحمد للہ رمضان المبارک میں تین ٹی وی چینلز (اپنا' روشنی اور یونی پلس) والوں نے روزانہ حضرت جی مدظلہ العالی کے بیانات کی ٹیلی کاسٹنگ کی اور کچھ دیگر چینلز والوں نے بھی جزوی طور پر بیانات ٹیلی کاسٹ کیے۔ ماہ شوال میں بھی چند ایک پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوئے ''اپنا'' ٹی وی چینل (پنجابی) والوں کے لئے تفسیر قرآن (پنجابی) کے پروگرامز کی ریکارڈنگ اور ایڈیٹنگ کا کام تیزی سے جاری ہے ''اپنا'' چینل والوں نے متوقع تاریخ برائے ٹیلی کاسٹنگ یکم دسمبر 2006ء بوقت شام پانچ بجے تا چھ بجے کے دوران بتائی ہوئی ہے۔ امید کہ متوقع تاریخ سے ٹیلی کاسٹنگ شروع ہو جائے گی۔ تاہم اگر کسی وجہ سے متوقع تاریخ کے مطابق ٹیلی کاسٹنگ شروع نہ ہو سکی تو احباب ٹیلی فون کر کے نئی تاریخ اور وقت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ ساتھیوں سے درخواست ہے کہ دوسرے ساتھیوں اور دیگر احباب کو بھی ٹیلی کاسٹنگ شروع ہو جانے کے بعد اطلاع کر دیں تا کہ احباب کو باقاعدہ تفسیر قرآن (پنجابی) کے بیانات سننے کا موقع مل سکے۔

برائے معلومات

فون نمبر 0333-4363022 =042-7310974-5

ای میل ایڈریس۔ rahmat@ rahmat.com

ولایت کیا ہے؟

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علوم انبیاء جو اللہ کے نبیوں کے واسطے نصیب ہوتے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت راسخ ہوتی جاتی ہے اور عجز و نیاز مندی انسان میں زیادہ در آتی ہے اور یہ دعا لب پہ آتی ہے اے اللہ! ایسے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما جو صالح ہوں اور تیری رضا کا سبب ہوں۔ وراثت انبیاء کیا ہے کہ انسان میں اللہ جل شانہٗ کی یاد راسخ ہو جائے اللہ کا قرب نصیب ہو جائے' اللہ سے تعلق قائم ہو جائے اور اس کے اعمال صالح ہو جائیں' اس کا کردار نکھر آئے اور اس کے اعمال ایسے ہوں جو رضائے الٰہی کا سبب ہوں اسی کو ولایت کہیں گے ولایت کیا ہے کہ کسی انسان کو نبی کا پرتو جمال حاصل ہو جائے خواہ وہ غریب ہو امیر ہو' محکوم ہو' حاکم ہو' جس شخص میں' جس وجود میں پیغمبر ﷺ کی کوئی ادا نظر آئے اسے ہم ولی کہیں گے اور کوئی کتنے عجائبات دکھائے لیکن اس کی عادات' اس کے اخلاق' اس کے اطوار میں حضور ﷺ کی خوشبو نہ ہو تو ولی نہیں ہے۔

علم لدنی

صحابہؓ حضور ﷺ کی محفل میں یوں بیٹھے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر اگر پرندے بھی بیٹھ جائیں تو خطرہ محسوس نہ کریں اور یہی سمجھیں کہ پتھر ہیں۔ حرکت نہیں کرتے تھے' آواز نہیں نکالتے تھے' بے باک نگاہ سے کسی صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ کے رخ انور کو نہیں دیکھا کہ کسی نے نگاہ گاڑ کر دیکھا ہو۔ وہ ہمیشہ نگاہ نیچی کئے رکھتے تھے' دست بستہ' مودب' لیکن یہ خاموشی انہیں اتنا کچھ پڑھا گئی کہ وہ کائنات کے معلم بن گئے۔ یہ علم لدنی ہوتا ہے جو الفاظ' کتب' اساتذہ کا محتاج نہیں ہوتا اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اور جتنا علم انبیاء کو عطا ہوتا ہے ولی اس کے کروڑویں حصے کو بھی نہیں پا سکتا۔ اسے ہضم کر سکتا ہے نہ اسے برداشت کر سکتا ہے۔

ولایت اور ولایت کی حقیقت

آج کل یہی قانون ہم ولی اللہ کو تلاش کرنے پر لاگو کرتے ہیں آج کل کی اصطلاح میں ولی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عام انسانوں سے مختلف ہو' جس کا کوئی آگا پیچھا نہ ہو' جس کا کوئی گھر گھاٹ نہ ہو' جو لباس سے بے نیاز ہو' جسے حلال حرام کی تمیز نہ ہو اور اس کے لئے کوئی قید کوئی شرط نہ ہو۔

درحقیقت ولایت نیابت نبوت ہوتی ہے اور ولی اللہ کا فرض منصبی ہوتا ہے کہ جو برکات وہ نبی اکرم ﷺ سے حاصل کرتا ہے ان کو اللہ کے بندوں تک پہنچائے اس حال میں کہ وہ بھی ایک انسان کی زندگی بسر کرتا ہو' اس کی ضروریات بھی ہوں' اس کے بیوی بچے بھی ہوں اس کا گھر بار بھی ہو' اس کا کاروبار بھی ہو اور اس سارے میں وہ ثابت کرتا ہو کہ یہ بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تب ہی وہ اس قابل ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دے سکے۔

عجیب بات ہے کہ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہوتا ہے کہ جب آدمی ذکر کرتا ہے یا عبادت کرتا ہے یا نیکی کا کوئی کام کرتا ہے تو شاید اس کا نتیجہ یہ

ہونا چاہئے کہ اس کے راستے میں کوئی مشکل ہی نہ آئے اور اسے نہ بیمار ہونا چاہئے نہ افلاس و تنگ دستی آنی چاہئے نہ اس پر کوئی دنیاوی پریشانی آنی چاہئے یہ محض غلط فہمی ہے اسی طرح ایک غلط فہمی یہ ہے کہ ہم اللہ اللہ کریں تو سارے لوگ ہماری تعریف کریں۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ جو میری راہ پر چلتے ہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ نیکی کے ساتھ لوگوں کے طعنے بھی سننے پڑتے ہیں تب ہی تو اللہ نے تعریف فرمائی۔

اس ساری محنت کوشش کا مطلب اور اصلی مقصد یہ ہے کہ دل میں ایک کیفیت پیدا ہو جائے جو اللہ کی اطاعت کو آسان کر دے اور اس کے لئے جو چیزیں چھوڑنی پڑیں ان کو چھوڑنے کی جرات آجائے' جہاں اسے اللہ کریم روک دیں رکنے کی طاقت پیدا ہو جائے جس طرح اللہ کریم حکم دیں اس طرف چلنے کی طاقت پیدا ہو جائے۔ ذکر' مراقبہ' تسبیحات' عبادت یہ ساری محنت اور توجہ بھی اس لئے کی جاتی ہے کہ آدمی میں اتباع شریعت کی قوت پیدا ہو جائے اور وہ شریعت کو بوجھ نہ سمجھے بلکہ اپنی ذمہ داری سمجھے شریعت پر عمل کرنے میں کوفت نہیں بلکہ لذت آئے۔

مسلمانوں میں ایک یہ فلسفہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو بزرگ قرار دے دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے لئے چھوٹی چھوٹی باتیں معاف ہیں ایسی بات نہیں ہے۔ بُرائی اور خطا' خطا ہے وہ کسی بہت بڑے آدمی سے ہو یا کسی بہت چھوٹے آدمی سے ہو۔ اس طرح اگر کوئی نیک صالح آدمی ہے یا اسے منازل قرب حاصل ہیں یا اسے اللہ جل شانہ کی طرف سے بہت قرب یا زیادہ اطاعت نصیب ہے تو اس کی چھوٹی غلطی بھی بہت بڑی شمار ہوتی ہے یہی فلسفہ گناہ کا ہے کہ جب یہ یقین حاصل ہو جائے کہ گناہ ہر حال میں اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے تو انسان گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اگر اس سے بحیثیت انسان خطا ہو جائے تو خطا کو پیشہ نہیں بناتا' توبہ کرتا ہے' رجوع الی اللہ کرتا ہے۔

ولایت عامہ اور خاصہ

ولایت کی نسبت اللہ کی طرف ہے ظاہر ہے کہ جب تک وہ قبول نہ فرمائے یکطرفہ دعویٰ مناسب نہیں۔ ہاں ولایت کے دو حصے ہیں ایک ولایت عامہ اور ایک ولایت خاصہ' پہلا حصہ تو ہر مومن کو حاصل ہے دراصل ایمان کی بقا کا سبب بھی یہی ولایت ہے یہ ٹوٹ جائے یا اللہ سے تعلق کی یہ صورت نہ رہے تو آدمی کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ مسلسل گناہ کرنے والے لوگوں کو اگر توبہ نصیب نہ ہو تو عموماً گمراہ ہو کر عقیدے کے فساد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ رہا دوسرا درجہ تو اس کی جو نشانی اللہ نے ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کو رب مانا اور پھر اپنی بات پر ڈٹ گئے ان پر حیات دنیا میں بھی اور عندالموت بھی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو انہیں بشارت سناتے اور ہر طرح کے خوف اور فکر سے آزادی کی خبر دیتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ خود اللہ کریم ہی فرمائیں گے کہ کون اس پر قائم رہا یا اگر خود اس آدمی کو ادراک بھی ہو تو دوسرے لوگوں کے پاس اس پر کیا دلیل ہے لہٰذا ہر نیک اور باعمل مسلمان سے حسن ظن ہوتا ہے کہ یہ ولی اللہ ہے' مگر فیصلہ اللہ کے پاس ہے' ہاں یہ کہنا درست ہے کہ فلاں صاحب حال ہے یا اسے کوئی ذرہ معرفت کا نصیب ہے۔

صاحب حال لوگ

عقائد اور اعمال کی بنیاد اللہ کی کتاب ہے جو سب مسلمانوں کے لئے برابر کی برکات کی حامل ہے کتاب اللہ کی تشریح اور توضیح قول و فعل رسول اللہ ﷺ ہے اس میں بھی سب برابر ہیں لیکن اس کے علاوہ کچھ کیفیات ہیں جو قلب انسانی سے متعلق ہیں۔ یہ بات خاص طور پر یاد

رکھتی کی ہے کہ کتاب اللہ کا نزول حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا حالانکہ آپ کا ذہن عالی بھی بے مثال تھا۔ کتاب اللہ ذہن کو مطمئن تو کر دیتی ہے اور اس کا کوئی حکم خلاف عقل نہیں ہوتا مگر اسے قبول کرنا اور سمجھنا یہ دل کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ایمان سے محروم رہے انہیں عقلی دلائل نے لاجواب تو کر دیا مگر قائل نہ کر سکے یا وہ قبول کرنے سے محروم رہے۔ اگر قبول کرنے کی توفیق کسی کو نصیب ہوئی تو توبہ سے پہلے اس کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوا اور پھر جب ایمان نصیب ہوا تو دل روشن ہو گیا اور جس قدر دل میں خلوص بڑھتا گیا اعمال کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ دل کی حالت کیسے بدلی؟ دراصل یہ بھی فرائض نبوت میں تھا کہ دلوں کا تزکیہ فرمایا جائے۔ اب رہی بات کہ حضور ﷺ تزکیہ کس طرح فرمایا کرتے تھے۔ دراصل برکات نبوت کا سمندر اس طرح ٹھاٹھیں مارتا تھا کہ ایمان لانے کے بعد جس مومن کو آپ کی صحبت نصیب ہوتی صحابی بن گیا جو ایک بہت بڑا درجہ اور انتہائی بلند حال ہے کہ اس کے اوپر مقام نبوت ہے اور صفات عالیہ میں عقائد و اعمال اور خلوص فی الاعمال میں کوئی غیر صحابی صحابہؓ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ یہاں سے فرق کا پتہ چلتا ہے۔ عقیدہ ایک' کتاب ایک' نبی ﷺ ایک' عمل بھی ایک' مگر اجر میں بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہے اور وہ یوں کہ آپ ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ میرا صحابی تھوڑے سے جو خیرات کرے اور بعد والوں میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی اس کے برابر ثواب نہیں پا سکتا۔ ظاہر ہے کہ فرق تو صرف خلوص اور دل کی حالت میں ہی ہے جس نے اجر میں اتنا فرق پیدا کر دیا اور دل کی اس حالت کا سبب صرف اور صرف آپ ﷺ کی صحبت ہے تو یہ بات سامنے آئی کہ عقائد و اعمال سب تعلیمات نبوی ہیں' ان پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اور عمل کرنے سے دل کی اصلاح بھی ہوتی ہے' ثواب بھی ہوتا ہے مگر جو حال دل کو فیض صحبت سے نصیب ہوا وہ فوری بھی تھا اور بہت زیادہ موثر بھی۔ جنہیں ہم ولی اللہ اور بزرگ سمجھتے ہیں وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے برکات نبوت سے بھی حصہ پایا کہ ہمارے اور ان کے اعمال ایک جیسے ہونے کے باوجود اجر و ثواب میں اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں اور یہی ان کے احترام کا سبب بھی ہے۔

اصلاح احوال

میرے بھائی! اپنی زندگی کے نصاب کو بدلو اور اپنے کردار کو اپنے عمل کو مثبت انداز میں بدلو۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو سمجھ لو کہ ساری محنت کا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ ان مجاہدات' ان راتوں کے اٹھنے کا' ان اذکار اور توجہات کا مقصد اعلیٰ بھی یہ ہے کہ اطاعت الٰہی اور اطاعت نبی ﷺ نصیب ہو جائے اور خلوص دل سے عمل نصیب ہو جائے۔ ہر شخص کو یہ چاہیے کہ اپنے اعمال پر نظر رکھے اور اپنے عقائد کی اصلاح کرے اور اپنے آپ سے اتنا مجاہدہ کرائے جتنی اس میں ہمت ہے اپنی حیثیت کی قوت صرف کرے دوسرا اگر مجاہدہ کمزور ہے تو اس کے لئے بھی اللہ سے استغفار کرتا رہے اور خود کو اس خطا سے بچانے کی کوشش کرے۔

ولایت کسبی ھے

نبوت وہبی ہوتی ہے۔ وہبی اور کسبی میں یہ فرق ہے کہ جو چیز وہبی ہوتی ہے اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت نہیں ہوتی' اللہ کی طرف سے عطا کر دی جاتی ہے۔ کسی چیز میں محنت کی بات نہیں بات طلب کی ہے' بات انابت کی ہے' بات جستجو کی ہے' بات آرزو کی ہے۔ وہ آرزو جو طلب کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے دینا اللہ ہی نے ہے' ملتی وہبی طریقے سے ہی ہے۔ اللہ کریم اپنی نعمت کو بغیر کسی محنت اور معاوضے کے دیتے ہیں۔ چونکہ انسان تو اتنی محنت بھی نہیں کر

سکتا جتنی چیزیں اللہ کی دی ہوئی بدن میں ہیں جن کو وہ ہر روز استعمال کرتا ہے۔ طاقت' قوت' صحت' نگاہ' شنوائی اور مختلف نعمتیں ان سے جتنا فائدہ اٹھاتا ہے ان کی قیمت کا شکر ادا نہیں کر پاتا لیکن جب وہ دل سے طے کر لیتا ہے' فیصلہ کرتا ہے کہ مجھے اللہ کے قرب' اللہ کی رضا' اللہ کی ولایت' اللہ کی دوستی' اللہ کی پناہ چاہئے یہ اس کی ساری محنت ہے اس لئے ولایت کو کسبی کہتے ہیں۔

تو ولایت کیا ہے بندہ کا وہ فیصلہ جو ایک لمحے میں کرتا ہے کہ مجھے کیا چاہئے اور اللہ کی وہ عطا جو عمر بھر اسے اپنا بندہ بنا کر عطا ہوتی رہتی ہے ولایت ولی اللہ کو اللہ کی ذات یا اس کی صفات میں شریک کار نہیں کر دیتی بلکہ اس کی ذات کو اللہ کی عظمت کے سامنے فنا کر دیتی ہے۔

یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے دلوں کے ساتھ ذات باری کا رابطہ ہوتا ہے' تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے روبرو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ نہ انہیں برادری اور رشتہ روک سکتا ہے' نہ انہیں زمانے کے رسم و رواج روک سکتے ہیں' نہ انہیں عزت و بے عزتی کا کوئی مسئلہ روک سکتا ہے' نہ انہیں لوگوں کی شہرت اچھی یا بری روک سکتی ہے' نہ انہیں مال و دولت کی فکر روک سکتی ہے' نہ انہیں کسی حکمران کی جلوت و خلوت روک سکتی ہے' نہ انہیں کسی ظالم کا ظلم باز رکھ سکتا ہے اور نہ کسی کی منت و سماجت انہیں اس دروازے سے اٹھا سکتی ہے۔ ساری کائنات ان کے لئے بے اثر ہو جاتی ہے سوائے ایک نام کے' ایک ذات کے' ایک ہی ذات کی آرزو' طلب و جستجو کے' باقی سب کچھ ان کے لئے نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔

وہ شخص جس کا دل بنیادی طور پر طے کر لے ذاتی طور پر طے کر لے کہ مجھے اللہ کا قرب چاہئے' اللہ کی رضا چاہئے جو یہ طے کر لے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طلب' اللہ کی آرزو میں اس کی رضا کی تلاش میں' سب کچھ ہی ہار دینا چاہئے اسے یہ نعمت نصیب ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس کے دل میں یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا' جو خود یہ طے نہیں کر سکتا' اس کے لئے نہ کوئی ولی ہوتا ہے' نہ کوئی ہادی ہوتا ہے' نہ رہنما' نہ کوئی واعظ ہوتا ہے' نہ مبلغ کوئی بھی اس کے کام نہیں آ سکتا۔ یہ سارا معاملہ انسان کے ذاتی فیصلہ پر منحصر ہے۔ ہر واعظ' ہر مقرر' ہر پیر' ہر مولوی' ہر استاد ہمیں اس کے فوائد اور اس کے نقصانات سے آگاہ تو کر سکتا ہے لیکن فیصلہ کرنا ہمارا اپنا ذاتی کام ہے۔ کوئی ہمارے لئے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اور جب تک ہمارا فیصلہ اس قوت کا نہیں ہوتا کہ وہ ہماری ذات کو' ہمارے کردار کو اور ہماری سوچ کو متاثر کر دے تب تک اس پر ہدایت مرتب نہیں ہوتی تو ولی سے حصول برکات کے لئے اس فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان اپنے دل میں طے کرتا ہے کوئی ولی' کوئی نبی کریم سے زبردستی فیصلہ نہیں کرواتا' کیونکہ اللہ کا یہ قانون نہیں ہے۔ اس نے انسان کو یہی اختیار دیا ہے۔ اگر تنہاں خانہ دل میں یہ طے کر لے تو پھر اہل اللہ اس کے اس طرح کام آتے ہیں کہ وہ درد جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

فیض کیا ھے؟

ولایت یہ ہے کہ کوئی جہاں کی آرزو کو نچھاور کر دے اس کی رضا کو پانے کے لئے' کسی میں یہ کیفیت برپا ہو جائے اور پھر اسے اسی طرف سے رابطہ نصیب ہو جائے تو وہ ولی اللہ ہے اور اس سے لینا کیا ہے' فیض کسے کہتے ہیں' اسی طلب و آرزو کو' اسی کرم و رحمت کو' اسی شفقت الٰہی کو' اسی کیفیت کو پانا' یہ ولی کا فیض ہوتا ہے۔ انسان اگر خلوص کے ساتھ کسی ولی کے دروازے پر جم جائے شرط یہ ہے کہ وہ بھی ولی ہو تو انسان کتنی بڑی نعمتیں پا سکتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ولایت وہ نعمت ہے جو صرف ولی کے پاس ہوتی ہے اور وہ ہے قرب الٰہی اور نصیب بھی وہیں سے ہوتی ہے' اطاعت کا فیصلہ وہ فیصلہ ہے جو اس طرح کے تمام خوفوں سے انسان کو اوپر لے جائے

اور دنیا کی کوئی قید اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکے قرآنی اصطلاح میں یہ ولایت ہے اور ایسے ہی اوصاف کا اس سے آگے حاصل کرنا یہ فیض ہے یہ برکات ہیں اس کے علاوہ ساری دنیاداری ہے۔

چونکہ ولایت اصولاً کسبی چیز ہے لیکن اس معنی میں وہبی ہوتی ہے کہ ثمرات وہبی ہوتے ہیں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن اس کے لئے انسانی کسب ضروری ہے انسان مکلف ہے اس کے اکتساب کا' اور اس کے ساتھ ساتھ کمال یہ ہے کہ جوں جوں حضور اکرم ﷺ سے بعد زمانی ہوتا گیا توں توں لوگوں نے محنت اور مجاہدے میں تنہائی کو خلوت کو اور دنیا سے دوری کو شامل کر لیا۔ اس کی وجہ ان کی مجبوری تھی۔ اتنی قوت نہ رکھتے ہوئے یہ راستہ اپنایا گیا کہ دنیاوی امور کو کم کیا جائے اور سارا وقت مجاہدے پر صرف کیا جائے تاکہ کچھ کیفیات پیدا ہوں اس میں یہ تبدیلی حضرت جی پر آ کر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ اتنی قوت ایک شخص کو عطا کر دی کہ دینوی امور بھی انجام پذیر ہوتے رہیں اور اس کے ساتھ اکتساب فیض بھی ہوتا رہے اور ایسا کہ جیسا کوئی ساری عمر خلوت میں بیٹھ کر بھی حاصل نہ ہو کر سکا۔ لیکن اس کے باوجود یہ ضروری تھا یہ بنیاد تھی کہ دنیاوی امور میں بھی توجہ اپنے اصلی مقصد سے ہٹنے نہ پائے اور کام کرتے وقت بھی انسان کو یاد رہے کہ میرا اصلی مقصد کیا ہے۔ حصول کیفیات رضائے باری اور قرب الٰہی ہے تو وہ دینوی امور کو بھی اس طرح سے انجام دے کہ کسی کام کا کرنا اس کے مقصد میں حارج نہ ہو۔ اللہ کریم نے ہم پر یہ احسان مزید فرمایا ہے کہ دنیا میں جتنے سلسلہ ہائے تصوف ہیں سارے کے سارے ہمارے سلسلہ عالیہ سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اس سلسلہ عالیہ کو انفرادیت عطا کی گئی ہے بارگاہ نبوی ﷺ سے کہ جو برکات آتی ہیں وہ سیدھی اس سلسلہ عالیہ پر وارد ہوتی ہیں اور ہمارے ہاں سے بٹ کر دوسرے زمین پر جاتی ہیں۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مدینے کے راہی ' مری سن کے جانا
مرے مدنی آقا کو جا کے بتانا
غم ہجر میں ہوں میں بیتاب ایسے
تڑپتا ہے ماہی بے آب جیسے
وہاں آنکھوں دیکھی' یہ دینا گواہی
کہ فرقت ہے میرے لئے جان کا ہی
چلیں قافلے جب بھی سوئے مدینہ
انہیں دیکھ کر میرا جلتا ہے سینہ
بلا لیں مجھے پاس اپنے خدارا
غم ہجر میں ورنہ جاؤں گا مارا
میں اُن کی جدائی میں یوں گھل رہا ہوں
ہے بجھنے کو لو ٹمٹماتا دیا ہوں
بلایا نہ مجھ کو ' اگر پاس اپنے
اُدھورے رہیں گے مرے سارے سپنے
غم ہجر کا روگ ' جس کو لگا ہے
مٹے وصل سے اُس نے پائی شفا ہے
اویسی ترا دکھ وہی جانتا ہے
جو فرقت کی آتش میں خود جل رہا ہے

☆.........انجینئر عبدالرزاق اویسی ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال و جواب

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال 19-07-2006

سوال:- محبت کس کیفیت کا نام ہے؟

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم○

بسم اللہ الرحمن الرحیم○

جواب:- کیفیات کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ کیفیات تو صرف محسوس کی جاتی ہیں لفظوں میں نہیں ڈھلا کرتیں۔ جب آپ اسے کیفیت کہتے ہیں تو پھر الفاظ کہاں سے آئیں گے؟ محبت کے بہت سے رنگ ہیں اور بہت سی کیفیات ہیں جنہیں محبت کا نام دیا جاتا ہے لیکن شاید وہ یا محبت ہوتی نہیں اگر محبت ہوتی ہے تو اس کی کوئی اور قسم ہوتی ہوگی۔ اب کونسا ایسا بندہ ہے جسے اولاد سے محبت نہیں ہے۔ اولاد کی بہتری چاہتے ہیں اولاد کی پرورش کرتے ہیں محنت سے انہیں تحفظ دیتے ہیں۔ مصیبتوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں ذرہ سی تکلیف ہو تو بیقرار ہو جاتے ہیں۔ اب ان باتوں کو دیکھا جائے تو بڑی محبت ہے اولاد سے۔ لیکن پھر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جب اولاد بالغ ہوتی ہے اور وہ کام نہیں کرتی یا کما کے نہیں لاتی تو پھر وہ محبت کافور ہو جاتی ہے۔ پھر وہی والدین انہیں بددعائیں دے رہے ہوتے ہیں' گالیاں دے رہے ہوتے ہیں' بھگا رہے ہوتے ہیں۔ تو وہی بچے ہوتے ہیں جن سے وہ بڑا پیار کرتے ہیں وہی بچے ہوتے ہیں جن سے اُن کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ بچوں کو والدین سے بڑی محبت ہوتی ہے لیکن جب اُن کے اپنے گھر بنتے ہیں تو پھر انہیں والدین کا خیال نہیں ہوتا وہ محبت کہاں گئی؟! وہ بوڑھے ہیں ضعیف ہیں بھوکے ہیں یا انہیں کوئی کھانا بھی ملا یا گرمی سردی کا اُن کے پاس کوئی تحفظ ہے یا نہیں۔ پھر جانے وہ محبت کہاں جاتی ہے۔ میرا خیال ہے انسان کو بڑی محبت ہوتی ہے پیسے سے دولت سے جمع کرتا جاتا ہے کرتا جاتا ہے کرتا جاتا ہے' جی ہی نہیں بھرتا۔ اس طرح ہر بندے میں ایک اپنی انا ہے وہ خود ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اپنے آپ سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ ان سب کو محبت بھی کہا جاتا ہے اور میرے خیال میں یہ ساری ضرورتیں ہوتی ہیں جو وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں ہم اپنی ضرورت کو بھی محبت کا نام دیتے ہیں۔ گھربار سے محبت ہوتی ہے اور بہت بے شمار چیزوں سے بے شمار افراد سے بے شمار اشیاء سے ہمارا جو تعلق ہوتا ہے ہمارا دل چاہتا ہے کہ یہ بھی میرے پاس ہو یہ بھی میرے پاس ہو۔ اس سب کو ہم محبت کا نام دیتے ہیں لیکن یہ بدلتی رہتی ہیں کوئی سمجھ نہیں آتی اس کی۔ اگر محبت تھی تو اسے محبت رہنا چاہئے تھا بدلنا نہیں چاہئے تھا۔ اگر وقت نے حالات نے اسے بدل دیا تو شاید محبت نہیں تھی ہماری اس وقت کی ضرورت تھی ہم نے اسے محبت کا نام دے رکھا تھا۔ تو یہ ایک بہت لمبی فلاسفی ہے کسی شاعر نے اسے بیان کرنے کی کوشش کی تو اس نے کہا۔

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں
ترا مجبور کر دینا مرا مجبور ہو جانا

بعض اوقات لوگ کسی خاتون سے محبت کرتے ہیں بڑی محبت ہوتی ہے جنون ہوتا ہے لیکن پھر ان محبتوں کا غبار ہم نے اُترتے بھی دیکھا۔ انھیں ایک دوسرے سے جان چھڑاتے بھی دیکھا۔ ایک دوسرے سے لڑتے بھی دیکھا۔ تو ان سب چیزوں کو ہم نام تو محبت کا دیتے ہیں لیکن میرے خیال میں بس نام ہی ہے' ہوتی تو یہ زندگی کی ضرورتیں ہیں۔ ضرورتوں کو محبت کا نام ہم دے رکھتے ہیں۔ جب ضرورت پوری ہوگئی یا ضرورت نہ رہی تو محبت بھی نہ رہی تو پھر وہ محبت تو نہ ہوئی وہ تو ضرورت ہی ہوئی!

جو کیفیت اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ہوتی ہے۔ ہم نے اللہ جل شانہٗ کو نہیں دیکھا ہم نے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا جنھوں نے دیکھا انھوں نے محبت کی انھیں پتہ ہوگا محبت کیا ہوتی ہے ہم نے اُن کے بعض واقعات سے اُن کے حالات پڑھے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے' صحابیات کی زندگیوں کو پڑھا جائے تو کوئی تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جسے محبت کہتے ہیں۔

مکہ والوں کے ساتھ میدان کارزار میں مدینہ منورہ کی ایک خاتون کا بھائی' بیٹا' خاوند چار بندے شہید ہوگئے اور وہ بے تابانہ دوڑی جارہی تھی شہر سے میدان کارزار کی طرف تو اسے کسی نے بتایا تو اس نے پوچھا کیا نبی کریم ﷺ ٹھیک ہیں آپ ﷺ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ جواب ملا حضور ﷺ ٹھیک ہیں' حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سوار تھے گھوڑے پر واپس تشریف لا رہے تھے اس نے دیکھا بے تابانہ بڑھی پاؤں مبارک پر بوسہ دیا اور بے ساختہ کہا کہ جب آپ ﷺ موجود ہیں تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں ہے۔

اب یہ قصہ سننے سے تو بات سمجھ میں نہیں آتی اور بھلا ہم لوگوں کو سمجھ میں کب آئے گی جنگ۔ ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم سے زندگی کی کوئی برائی چھٹتی نہیں ہے ہم چھوڑنا چاہتے نہیں ہم چاہتے یہ ہیں کہ ہمارا دعویٰ یہ ہو کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ اس دعوے پہ بھی قائم رہیں اور اپنی خواہشات ہیں وہ بھی پوری کرتے رہیں۔ اُن میں سے بھی کسی میں کوئی کمی نہ آئے۔ تو یہ پھر کس قسم کے لوگ تھے یہ ہماری طرح کے کمزور اور بزدل لوگ نہیں تھے۔ معمولی بات پر بھی جان لینے اور جان دینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ کٹ مرتے تھے دنیا کے بڑے بڑے سلاطین کے سامنے انھوں نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کیں۔ عجیب جرات مند قوم تھی اور اللہ کریم کو شاید اُن کی یہی بات زیادہ پسند تھی کہ نبی کریم ﷺ کو اُن میں مبعوث فرمایا۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ حضور ﷺ کو کن لوگوں میں مبعوث فرمایا۔ اُن میں ''کوالٹیز'' تھیں۔ لیکن جب وہ حضور ﷺ کی محبت کے اسیر ہوئے تو سارا کچھ تبدیل ہو گیا۔ انھیں ضرورت نہیں پڑی جو ہمیں روز خط آتے ہیں جی میرے لئے دعا کرو میرے تہجد پکے ہو جائیں اور میرے لئے دعا کرو میری نماز پکی ہو جائے۔ عجیب فلسفہ ہے کہ اگر نماز کسی نے ہماری دعا سے پڑھنی ہے تو پھر پڑھنے نہ پڑھنے کا کیا فائدہ! پڑھنے کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کا حکم جو ہے وہ دل میں ہلچل پیدا کر دے اور آدمی اُس کی اطاعت کے لئے اور اپنا جو اُس کا تعلق ہے اللہ سے اُس کے لئے اُس حکم کو نہ چھوڑ سکے۔ اگر دعا سے پڑھنی ہے تو اللہ زبردستی پڑھا لیتا خود پڑھا لیتا کون ایسا تھا جو انکار کرتا۔ اُس کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں اُس کے حکم سے مرتے ہیں اُس کے حکم سے صحت مند ہوتے ہیں بیمار ہوتے ہیں۔ حکماً پڑھانی ہوتی تو وہ قادر تھا' ہر کوئی سجدے میں ہی پڑا رہتا تو جب اس نے حکماً نہیں پڑھائی تو ہمارے کہنے سے کیا ہوگا

۔یعنی دعویٰ محبت بھی ہے اور بات ماننے کو بھی جی نہیں چاہتا پھر یہ کونسا لیول ہے یا کونسا رنگ ہے یا کونسی قسم ہے' سمجھ نہیں آتی!۔

یہ عرب کے باسی بڑے خودسر بڑے جفاکش بڑے بہادر بڑے دلیر اور بہت سی خوبیوں کے مالک لوگ تھے اور سب سے بڑی جو اُن کی بات تھی وہ یہ تھی کہ ہر آدمی اپنی انا میں گرفتار تھا۔ اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن جس کسی نے نبی کریم ﷺ سے ناطہ جوڑا اُس نے پھر محبت کی حد کر دی اور ایسا ہو گیا جیسے اُن کا اپنا کچھ ہے ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے اشارہ آبرو کے منتظر رہتے اور رخ انور ﷺ کی تبدیلی کو محسوس کرتے کہ یہ بات سُن کے حضور ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا یہ بات نہیں کرنی چاہئے' یہ آئندہ نہیں ہوگی۔ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ شاید کون کھڑا تھا اُسے آپ ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابی جو داخل ہو رہے تھے جہاں لوگوں کی جوتیاں پڑی تھیں ابھی وہاں تک پہنچے تھے آواز آئی بیٹھ جاؤ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ انہوں نے سارا خطبہ وہیں سنا حالانکہ انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا حکم تو اندر کوئی تھا اُسے دیا گیا تھا انہوں نے سن لیا وہ بیٹھ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو بڑے بڑے شہنشاہوں کے حکم کو نہیں مانا کرتے تھے۔ سر کٹا دیتے بات اپنی مرضی کی کرتے۔ تو اس طرح کے عجیب و غریب واقعات جو ہیں وہ تو بے شمار ہیں۔

لیکن سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ حیات طیبہ میں حجۃ الوداع میں بھی بعض حضرات کے نزدیک کم و بیش سوا لاکھ صحابہ کرام موجود تھے اور جزیرہ نمائے عرب جو ہے یہ سارا ہی اسلامی ریاست بن چکا تھا۔ یہ سب لوگ جو تھے یہ ایک دوسرے سے بڑھ کر جاں نثاری پہ تیار ہوتے تھے اور انہیں صرف ایک سُن گن رہتی تھی کہ حضور ﷺ کی منشا عالی کیا ہے یہ ضروری نہیں کہ حضور ﷺ کا حکم کیا ہے یا حضور ﷺ کچھ فرمائیں گے تو ہم یہ عمل کریں گے۔ نہیں وہ اس ٹوہ میں رہتے تھے کہ حضور ﷺ کی منشا عالی کیا ہے کس بات سے آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں۔ کونسی بات آپ ﷺ کو پسند نہیں ہے وہ فوراً خود کو اس سانچے میں ڈھال لیتے اور ایک دن دو دن کے لئے نہیں زندگی بھر کے لئے اُس سانچے میں ڈھل گئے۔ جانیں دیں' گھر چھوڑ دیے ہجرتیں کیں' قربانیاں دیں لیکن انہیں یہ فخر نہیں ہوتا تھا کہ میں نے قربانی دی یہ شکر کرتے تھے کہ میرا بیٹا اللہ نے قبول کر لیا۔ احسان نہیں کرتے تھے کہ میں نے دین کے لئے بیٹا قربان کیا بلکہ شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے قبول کر لیا۔ اور پھر کسی حال میں اس محبت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی دکھ سکھ ہر حال میں یہ بڑھتی تھی۔ تو جہاں تک میری رائے ہے میں سمجھتا ہوں کہ صرف یہ محبت ہے۔ باقی سب ضرورتیں ہیں اور ہم نے ضرورتوں کو محبت کا نام دے رکھا ہے۔ گھر ہماری ضرورت ہے' اولاد ہماری ضرورتیں ہیں۔ زندہ رہنے کے لئے سرمایہ ہماری ضرورت ہے' یہ ساری ہماری ضرورتیں ہیں جنہیں ہم محبت کہتے ہیں! ایک یہ محبت ہوتی ہے کہ جو تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ جہاں تک میرا تجربہ ہے ہمیں بھی محبت ہے۔ بچوں سے بھی محبت ہے' بیویوں سے بھی محبت ہے' گھر بار سے بھی محبت ہے ہر چیز سے پیار ہے' لیکن جس دن سے شیخ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی صحبت نصیب ہوئی تو اُن کے وصال تک' اُس وقت سفر کے ذرائع بھی نہیں تھے اس طرح کے اخراجات کی توفیق بھی نہیں تھی۔ آج کی طرح کا پیسہ بھی ہمارے پاس نہیں تھا۔ لیکن مجھے یاد ہے پچیس برس الحمدللہ رفاقت رہی' پچیس برسوں میں ایک ہفتہ گزر جاتا دوسرا ہفتہ محال ہو جاتا تھا جیسے پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے بندہ بے قرار ہو جاتا ہے اس طرح ملاقات کو دیکھنے کو ایک بیقراری ہو جاتی تھی اور ہم پہنچتے تھے۔ واپسی پہ طبیعت میں ایک سیری سی ہوتی تھی اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ جو بے قراری تھی اُس پہ ایک گونہ سکون آ گیا ہے۔ کچھ دن پھر کٹ جاتے تھے۔ ہم

نے دیکھا ہماری ملاقات ہوئی اور ہم آپ رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ ذکر میں آئے تب سے اب تک زندگی میں شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ بھی انسان تھے۔ کاشتکاری آپ رحمتہ اللہ علیہ کا آبائی پیشہ تھا۔ دیہاتی تھے اعوان تھے اسی طرح کی دوستیاں دشمنیاں گاؤں میں کسی سے ناراضگی کسی سے تعلق جو زندگی کا ایک معمول ہے سارے اُسی معمول میں سے وہ بھی گزرتے تھے۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ پچیس برسوں میں کبھی میرے دل میں بھی یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ یہ دوست کیوں ہے یہ دشمن کیوں ہے یہ ہمارا معاملہ ہی نہیں ہے۔

اب یہاں ایک ذمہ داری ہے اور میں انکار نہیں کرتا ورنہ آپ لوگوں سے بیعت لینے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک ذمہ داری ہے ڈیوٹی لگی ہوئی ہے چلو جی بیعت کرنی ہے چلو جی بیعت کر لیتے ہیں۔ ورنہ کیا فائدہ اس بیعت کا جس کے ٹوٹنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا۔ اچھا ٹوٹتی کیوں ہے؟ وہ جی کسی نے مجھے یہ کہا پرسوں مجھ سے بات کر رہا تھا کوئی ساتھی کہ وہ جی مجھے کسی نے یہ بتایا۔ میں نے کہا یار! وہ کسی کی ویریفیکیشن مجھے دے دو۔ اُس کا نام کیا تھا؟ کس کا بیٹا ہے؟ اس کی تعلیم کیا تھی؟ کرتا کیا ہے؟ کوئی اُس کی ڈیفیکیشن؟ او جی بس کسی نے کہا تھا۔ پھر میں نے کہا میں کسی کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ وہ کس جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جسے تم جانتے ہی نہیں ہو۔ اب ایک شخص سے تم بیعت کرتے ہو ایک شخص تمہیں راستے میں بات کہہ دیتا ہے جسے تم جانتے ہی نہیں ہو۔ زندگی میں ایک بار تجربہ ہوا میں اکیلا آ رہا تھا اُس وقت "دندے" تک پیدل آنا جانا ہوتا تھا تو حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مخالف پارٹی کے کچھ لوگ تھے جو بڑے جھگڑے بدمعاش تھے۔ ان میں سے ایک نواب کالاباغ کا گارڈ تھا۔ وہ چھٹی پہ آیا تھا اُسے واپس جانا تھا تو پانچ سات گارڈ اُس نے ساتھ لگا رکھے تھے جو اُسے دندہ شریف تک چھوڑنے آ رہے تھے وہ مسلح تھے میں بھی واپس آ رہا تھا تو راستے میں ہم اکٹھے ہو گئے۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا کہ بھئی تم کہاں پھر رہے ہو کیسے آئے ہو۔ میں نے حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بتایا۔ تو وہ کہنے لگے یار وہ تو اچھے آدمی نہیں ہیں تم وہاں کیوں آتے ہو۔ میں نے کہا ہو سکتا ہے آپ ہی کی بات ٹھیک ہو۔ آپ کا زیادہ تجربہ ہے آپ لوگ ایک گاؤں کے ایک برادری کے ہیں۔ میں آتا ہوں اللہ اللہ سیکھنے۔ آپ میں کوئی ایسا ہے جو یہ سکھا سکتا ہے انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا چلو کسی اور کا پتہ بتا دو کہ اللہ اللہ سیکھنا ہے فلاں بڑا کامل ہے بزرگ ہے وہ جانتا ہے کہا پتہ بھی کوئی نہیں۔ میں نے کہا پھر تو تمہاری بات ہی فضول ہے۔ میرے ساتھ بات کرنا ہی فضول ہے میں جس مقصد کے لئے آتا ہوں اُس مقصد میں وہ شخص کامل ہے۔ باقی معاملات جو اُن کے اور تمہارے درمیان ہیں اُس سے مجھے کیا لینا دینا۔ تم اچھا کہو تو کیا ہوگا تم اچھا نہ کہو تو کیا بگڑے گا۔ تو وہ بھی کہنے لگے کہ آپ کی بات درست ہے ہم ہی غلط کہہ رہے ہیں۔ اور یہ صرف ایک بار ایسا اتفاق ہوا۔ اُس کے علاوہ زندگی میں میرا سارا خاندان حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت نہیں ہے۔ لیکن مجھ سے کسی نے زندگی میں نہیں پوچھا کہ تم نے اُن کی بیعت کیوں کی۔ کیوں روز جاتے ہو۔ وہ روز تمہارے پاس کیوں آتے ہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ پوچھا ہی نہیں کسی نے اعتراض ہی نہیں کیا کیوں نہیں کیا؟ کیا لوگوں کے ذہن میں اعتراض نہیں تھے۔ تھے لیکن جہاں محبت ہوتی ہے وہاں ایک کیفیت ہوتی ہے کہ وہ اگلوں کے منہ بھی بند کر دیتی ہے انہیں پتہ ہوتا ہے کہ یہاں بات کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔ اب آپ پوچھتے ہیں مجھ سے اور میرا جو تجربہ ہے وہ یہ ہے کہ دس دس سال پندرہ پندرہ سال ساتھ رہنے کے بعد پھر کسی کے کہنے پر نہ بیعت رہتی ہے نہ سلسلہ رہتا ہے

پھر وہ مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ تو کیا فائدہ ایسے سوال کرنے کا۔ گزارہ کریں آپ لوگ بھی ہم بھی۔ ہم اپنی بہار ہے ہیں۔ کہ ہماری ذمہ داری ہے انکار نہیں کر سکتے۔ آپ سے بھی جو وقت گزرتا ہے نبھائے جائیں بس اور یہ معاملات اللہ ہی پر رہنے دیں وہ غفور الرحیم ہے چاہے تو نقل کو بھی بخش دے اُس کے کرم کی کیا حد ہے۔

ایک روایت ملتی ہے ہے کہ فرعون کے دربار میں ایک مسخرہ ہوتا تھا صاحب مرقاۃ شرح مشکوۃ نے اُس میں لکھا من تشبہ بقوم فھوا منھم ۔ اس حدیث کے تحت صاحب مرقاۃ نے لکھا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام جیسا لباس بنالیتا اور اُس طرح ایک دوشاخہ لکڑی پکڑ لیتا اور موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک تو تلی تھی تو اُس طرح تتلا کر باتیں کرتا اور فرعون کے دربار میں فرعون کو اور اُس کے درباریوں کو ہنساتا تھا۔ جب فرعون اور اُس کا لشکر فرعون اور آل فرعون غرق ہوئے تو بنی اسرائیل بھی اور موسیٰ علیہ السلام بھی اور ہارون علیہ السلام بھی دوسرے کنارے پر دیکھ رہے تھے تماشہ۔ تو آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ مسخرہ کنارے پہ کھڑا ہے اور وہ بچ گیا غرق ہونے سے تو انہوں نے عرض کی بار الہا یہ تو مجھے سب سے زیادہ ایذا دیتا تھا اور میرا تمسخر اڑاتا تھا اور دوسرے لوگ بھی ہنستے تھے لیکن آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ فرمایا چھوڑوں گا تو نہیں اسے لیکن نقلی سہی نقل تو تمہاری تھی ۔فرعون کے ساتھ غرق کرنا پسند نہیں کیا۔ نقل تو موسیٰ علیہ السلام کی تھی تو میں نے پسند نہیں فرمایا کہ نقلی موسیٰ اور فرعون ایک جگہ ڈبو دیے جائیں۔ فرعون کے ساتھ اسے نہیں ڈبویا۔ یہ اپنی سزا خود پالے گا' اس کی باری بھی آجائے گی لیکن فرعون کے ساتھ اسے غرق کرنا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا۔

تو وہ مالک ہے نقل سے بھی بخش دے تو اُس کا کرم ہے لیکن شاید اب محبتیں رہی نہیں۔ ضرورتیں باقی ہیں اگر کسی کو ہے تو بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ واقعی کسی کو محبت نصیب ہے تو پھر وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ وہ عرب شاعر نے کہا تھا۔

فان المحب لمن یحب مطیعۃُ ۔ محبت جسے ہو جاتی ہے وہ جس سے محبت ہوتی ہے اُس کا بے دام غلام ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں پوچھا کرتا یہ کیوں کرتا ہے یہ کیا کرتا ہے۔ وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا ہے۔ اُس کی منشا کے مطابق ڈھلتا رہتا ہے اُس کی نگاہوں کا اُس کے چہرے کا رنگ دیکھتا رہتا ہے کہ کس بات پہ خوش ہے کس پہ ناراض ہے۔ اُس کا مطیع ہو جاتا ہے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ بھی ایک اصول فرمایا کرتے تھے کہ جو تحقیق کسی نے شیخ کے بارے کرنی ہے وہ بیعت ہونے سے پہلے کرے۔ بیعت کرے' تحقیق کرے' تفتیش کرے' مل کر دیکھے' ساتھ رہے۔ جب تسلی ہو تو بیعت کرے لیکن جب بیعت کرے تو پھر بیعت کرے بیعت کے بعد پھر صرف تعمیل کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ تحقیق کی نہیں۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے بارہا علما سے فرمایا۔ علما حضرات حاضر ہوتے پھر مختلف سوالات کرتے تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ پوچھتے۔ آپ بیعت کرنے کے لئے آئے ہیں یا سمجھنے سمجھانے کے لئے۔ حضرت بیعت بھی کرنی ہے تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ پہلے اپنے سارے سوال صاف کرلو۔ بیعت کرنے کے بعد نہ تمہیں اختیار ہوگا سوال کرنے کا اور نہ میں ضرورت سمجھوں گا جواب دینے کی۔ جب بیعت ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں صرف تابعداری کرنی ہوگی۔ پھر سوالوں کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اپنے سوال پہلے کرلو جو کرنا چاہتے ہو۔ تو محبت ایک کیفیت ہوتی ہے دل کا ایک حال ہوتا ہے۔ اب ہم نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا لیکن اپنے شیخ کو حضور ﷺ کے حوالے سے دیکھا حضور ﷺ کی برکات کے حوالے سے دیکھا۔ برکات نبوی کا امین دیکھا اور اُس ہستی کے ایسے اسیر ہو گئے

کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے غلامی میں ابھی تک کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔

میں نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے گزارش کی تھی کہ مجھے آپ رحمتہ اللہ علیہ جیسا میں ہوں ایسا رہنے دیں مجھ پر ذمہ داری کوئی نہ ڈالیں جن کو شوق ہے انہیں دیں لیکن یہ اللہ کی مرضی مشائخ بالا کی مرضی۔ انہوں نے سلسلے کی ساری ذمہ داری میرے سر ڈال دی لیکن کوئی ایک معمول کوئی ایک ذکر ایسا نہیں ہے جو میں نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی اجازت کے بغیر کرایا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ ذمہ دار میں ہوں الحمدللہ سلسلے کی ساری ذمہ داری مجھ پر ساری اجازت دے دی گئی ہے لیکن اس کے باوجود آج تک کوئی ایک ذکر میں نے تنہا کیا ہے تب بھی ساتھیوں کو کرایا تب بھی ایک ذکر الحمدللہ ایسا نہیں ہے جس میں پہلے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت نہ لی ہو اور حاضری نہ دی ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے یہ دوسرا بندہ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ نہ سمجھائی ہے نہ اس کے سمجھانے کی ضرورت ہے۔ ایک تعلق یا محبت جسے کہتے ہیں اُس کا ایک اپنا مطالبہ اپنا ایک تقاضا ہوتا ہے۔ تو محبت بندے کو نہ ہونے کے برابر کر دیتی ہے اور محبوب کے اشاروں پہ ناچتا رہتا ہے ایسا قیدی ہوتا ہے جسے آزاد بھی کر دیا جائے تو وہ بھی غلام ہی رہتا ہے۔ لوگ غلامی سے جان چھڑاتے ہیں آزادی کے طالب ہوتے ہیں لیکن محبت کرنے والے غلام ہی رہتے ہیں خواہ اُنہیں آزاد کر دیا جائے۔ تو یہ کیفیات ہوتی ہیں جو کچھ میں نے کہا ہے یہ سب ان کے وہ اثرات جو اس سے مرتب ہوتے ہیں اُن پر بات کی ہے۔ فی نفسہ محبت ہے کیا۔ یہ کیفیت ہے اور کیفیات محسوس کی جا سکتی ہیں بیان نہیں کی جا سکتیں نہ لکھی جا سکتی ہیں نہ پڑھی جا سکتی ہیں اور ان کے لئے کوئی لفظ وضع نہیں کیا جا سکتا یہ محسوس کی جا سکتی ہیں۔ کوئی بھی کیفیت ہو وہ محسوس کی جا سکتی ہے۔

اب غصہ ایک کیفیت ہے آپ لکھتے رہیں پڑھتے رہیں غصے سے کیا کیا ہوتا ہے وہ اُس کے نتائج بتائیں گے تا کسی کو بتانا چاہیں تو غصے سے بندہ جھگڑا کرتا ہے لڑائی کرتا ہے یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے جب آپ کو خود غصہ آئے گا تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ غصہ کیا ہوتا ہے۔ بھوک سے کیا ہوتا ہے بھوک ایک کیفیت ہے اُس سے کیا کیفیت بندے کی ہوتی ہے اُس کا دل کیا چاہتا ہے وہ کیسا بے قرار ہوتا ہے۔ آپ بتاتے رہیں کس کو لکھتے رہیں بندے کو دو دن بھوکا رکھیں تو سمجھ آجائے گی کیا ہوتا ہے پیاسا رہے کچھ عرصہ پانی نہ ملے تو سمجھ آئے اس لئے اللہ کریم نے غالباً رمضان المبارک فرض کیا اُس میں ایک یہ بھی ہے کہ غریبوں مفلسوں اور بے نواؤں کی کیفیت کا کھانے پینے والوں کو بھی اندازہ ہو جائے کہ جن کے پاس کھانے پینے کو نہیں ہوتا اُن پہ کیا گزرتی ہے۔ بہت سی حکمتیں ہوں گی لیکن منجملہ ایک یہ بھی ہوگی۔

تو اس طرح محبت جس کو ہو جاتی ہے اُسے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کیا بلا گلے پڑ گئی۔ بتانے سے یا سمجھانے سے یا لکھنے پڑھنے سے کیفیات سمجھ میں نہیں آتیں۔ تو کسی پرانے شاعر کا شعر تھا اور "کرنل محبوب" اللہ اُن کے درجات بلند کرے۔ یہاں بیٹھے تھے بزرگ آدمی تھے یہیں بیٹھے تھے میں نے شعر پڑھ دیا۔

اللہ کرے عشق کا بیمار تجھے بھی
روتا ہوا دیکھوں پس دیوار تجھے بھی

تو وہ بے تاب ہو چیخ اٹھے۔ مزاج اُنکا ادبی تھا۔ شعر سمجھتے بھی تھے اور پسند بھی کرتے تھے اور مزاج میں اُن کے ادب پایا جاتا تھا فوراً وہ کہنے لگے حضرت!

روتا ہوا دیکھوں سر بازار تجھے بھی

اصل شاعر کا جو مصرعہ تھا وہ تو تھا کہ روتا ہوا دیکھوں پس دیوار تجھے بھی

تو میں نے وہ شعر پڑھا تو اُن کی اپنی وہ بے قراری غالب آئی تو کہنے لگے کہ

روتا ہوا دیکھوں سر بازار تجھے بھی

اب یہ اُن کی محبت ہی تھی کہ موت بھی اُنہیں دارالعرفان سے جدا نہیں کر سکی۔ زندگی میں وصیت کرتے تھے میرے سامنے بچوں سے کئی دفعہ کہا کہ مجھے گاؤں میں فلاں جگہ فلاں پہاڑی پر مجھے دفن کرنا اُن کی اپنی ملکیتی زمین میں چھوٹی سی ٹھیکری تھی مجھے وہاں دفن کرنا تو میں اُن سے مذاق کرتا رہتا تھا کہ یہ کراچی والی کوٹھی جو ہے اس کا صحن خالی پڑا ہے۔ آپ یہاں دفن ہوں یہاں ذکر کیا کریں گے آپ یہاں اپنا کریں۔ مذاق ہوتا رہتا تھا لیکن وہ اُس بات پہ پکے رہتے تھے کہ میں کراچی فوت ہو جاؤں تو ایسا نہ ہو کہ تم مجھے یہاں دفن کر دو۔ وہاں لے جا کر گاؤں میں دفن کرنا۔ لیکن یہ اُن کی محبت تھی کہ موت آئی تب بھی یہیں موجود تھے ہسپتال گئے فوت ہو گئے اور کچھ کہنے کی فرصت نہیں ملی۔ دل کا عارضہ تھا لیکن وہ جو اُن کی طلب تھی اُس نے اُن کے بیٹے کا دل بھی ہلا دیا۔ اُس نے ہسپتال سے ہی کہا کہ ابا جی کو محبت ہی دارالعرفان سے ہے اگر حضرت اجازت دیں تو انہیں وہیں دفن کریں۔ آج بھی یہاں ڈیرہ لگائے بیٹھے ہیں۔

محبت ان دیکھی سی طاقت ہے جو حالات کو اپنے انداز پہ موڑتی رہتی ہے دلوں میں ہوتی ہے اللہ نصیب کرے تو بڑی اچھی بات ہے۔

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

انا للہ وانا الیہ راجعون

سلسلہ عالیہ کے ساتھی قاری محمد یونس خطیب کناری بازار لاہور کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں ہیں۔

سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اکرم چیچہ وطنی (ساہیوال) کے بھتیجے محمد ارشد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

فیصل آباد کے ساتھی محمد آصف بھٹی کے بھائی وفات پا گئے ہیں۔

ضلع ہری پور ہزارہ کے ساتھی خیر زمان کے والد غلام خاں وفات پا گئے ہیں۔

ضلع سیالکوٹ کے ساتھی احسان اللہ باجوہ کے والد وفات پا گئے ہیں۔

کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عمر اعجاز کے نانا جان عبدالمجید وفات پا گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اطلاع

آڈیو کیسٹس .... ویڈیو سی ڈیز

ہم نے لاہور سے آڈیو کیسٹس اور ویڈیو سی ڈیز کی ڈاک کے ذریعے سپلائی کا باقاعدہ آغاز کر دیا ہے۔ احباب منی آرڈر یا کسی دوسرے طریقہ سے رقم بھجوا کر اپنی ضرورت کے مطابق آڈیو کیسٹس یا ویڈیو سی ڈیز منگوا سکتے ہیں۔ اگر احباب کو آڈیو کیسٹس یا ویڈیو سی ڈیز کے متعلق کوئی شکایات ہوں یا تجاویز بھجوانا چاہیں تو وہ بھی ارسال کر سکتے ہیں۔

رحمت اللہ ملک۔ 6- مزنگ روڈ لاہور۔

موبائل 0333-4363022 فون نمبر 042-7310974-5

المرشد سے انتخاب

انسان کی منزل

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 29-06-1990

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت بھی کفار کا یہ خیال تھا کہ اللہ کا رسول اگر مبعوث ہو تو اسے عام انسانی اقدار عام انسانی معاشرے سے ہٹ کر کوئی الگ طرز حیات چاہئے جو مافوق الفطرت ہو جس تک عام آدمی کی رسائی نہ ہو اس طرح کی اس کی زندگی ہونی چاہیے مثلاً وہ اس طرح سے کھانا کھاتا پیتا نہ ہو جس طرح عام لوگ بھوک اور پیاس محسوس کرتے ہیں کھانا کھاتے ہیں پانی پیتے ہیں سوتے جاگتے ہیں دنیا کے کام کاج کرتے ہیں اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہو جو لوگوں کو بتائے کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور اعلان کرے اس کی نبوت کا اس کے لئے آسمانوں سے غیبی خزانے اتارے جائیں اور وہ لوگوں کو دولت تقسیم کرے اور خود بھی عیش کرنے اس کے لئے خصوصی طور پر باغات بنائے جائیں جو معجزاتی طور پر رونما ہو جاتے ہوں۔

ان کا خیال تھا کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک عام انسان کی طرح سوتے جاگتے کھاتے پیتے گھر بار بیوی بچے کام کاج دوست دشمن پورے معاشرے میں جو مصروفیات ہوتی ہیں وہ ساری آپ ﷺ کی بھی ہیں اور کوئی ایسی عجیب بات نہیں جو مافوق الفطرت ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا اور یہ جو باتیں کہتے ہیں یہ اس جادو کے اثر میں آ کر کرتے ہیں ان کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ یا انہیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ جادو کا کرشمہ ہے اللہ کریم فرماتے ہیں۔

اُنظر کیف ضربوا لک الامثال

آپ دیکھئے یہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ کی شان میں اور ان کا یہ خیال جو ہے یا یہ نظریہ اور یہ عقیدہ جو ہے اس نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اس کے سبب یہ راستے سے بھٹک گئے اور اگر یہ اسی خیال پر رہیں گے تو یہ کبھی بھی سیدھے راستے کو پا نہیں سکیں گے اگر ہم لمبی بحث میں نہ پڑیں تو بڑے آسان طریقے سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر انسان جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اس پر بہیمیت کا حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے جب انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو وہ کچھ بھی نہ جانتا ہو لیکن اپنی حیات حیوانی جو ہے یا جسمانی زندگی جو ہے اس کی بقا کے لئے جدوجہد کرتا ہے چھوٹا بچہ بھی بھوک پیاس محسوس کرتا ہے اس کے لئے روتا چلاتا ہے دودھ پیتا ہے کھانا کھاتا ہے۔ سوتا ہے جاگتا ہے جو حیوانی زندگی ہے اس کا شعور فوری طور پر انسان کو ہوتا ہے وہی حیوانیت اس پر غالب آ جاتی ہے اگر اسے صحیح تربیت نصیب نہ ہو یا ایمان نصیب نہ ہو یا اچھے لوگوں کی صحبت نصیب نہ ہو تو پھر وہ ساری زندگی اسی حیوانیت کے تابع بسر کر دیتا ہے اسی لئے رب جلیل نے ان لوگوں کو جو ایمان سے محروم رہے اور اطاعت الٰہی سے محروم رہے یا نبی کریم ﷺ سے رشتہ جوڑنے سے محروم رہے انہیں قرآن حکیم نے حیوانوں سے بھی بدتر کہا ہے کہ انسان ہوتے ہوئے ان کے پاس صرف حیوانی زندگی ہے۔

جب اسے نور ایمان نصیب ہوتا ہے اور صالحین کی صحبت نصیب ہوتی ہے تو اس میں تبدیلی کا ایک عمل شروع ہوتا ہے جو اس کے احساس حیوانی کو مغلوب کر کے اس پر اوصاف ملکوتی کا رنگ چڑھاتا ہے تو پھر اس میں وہ عادات یا وہ صفات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں جو فرشتوں میں ہوتی ہیں جیسے کم کھانا کم سونا لوگوں سے کم ملنا کم باتیں کرنا اپنے کام سے کام رکھنا ہمہ وقت اللہ کی عبادت کرنا اطاعت کرنا ذکر اذکار

کرتا اور یہ ایسی صفات ہیں جو فرشتے کے اوصاف ہیں اور انہیں صفات ملکوتی کہا جاتا ہے لیکن فرشتہ بننا انسان کی منزل نہیں ہے اسے اپنے نکتہ کمال تک پہنچنے کے لئے انسان بننا پڑتا ہے یہ جس قدر لوگ آپ کو راہ تصوف میں اس حال میں نظر آتے ہیں کہ انہیں دنیا کا ہوش نہیں رہا انہوں نے لوگوں کو ملنا ترک کر دیا یا سوائے ذکر اذکار کے کبھی ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی یہ دراصل وہ لوگ ہیں جو دوران تربیت اپنی تربیت مکمل نہ کر سکے اور اوصاف ملکوتی کے حصول میں پھنس کر رہ گئے عرفاً تو بڑا کامل سمجھا جاتا ہے ایسے لوگوں کو اور کمال کی یہی دلیل کبھی جاتی ہے کہ فلاں شخص کو کوئی ہوش نہیں تھا کھانے پینے کا یا فلاں ساری ساری رات جاگا کرتا تھا یا ساری ساری رات سجدے کیا کرتا تھا یا فلاں اس شدت سے ریاضت کرتا تھا اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں۔

اگرچہ یہ اوصاف اچھے ہیں کمال ہیں اور فرشتوں کے اوصاف ہیں لیکن انسان کی منزل فرشتہ بننا نہیں ہے انسان کی منزل انسان بننا ہے تو پھر انسانیت کیا ہے؟ انسانیت یہ ہے کہ اس سے بھی ترقی کر کے وہ اپنی انسانی عام زندگی کو اختیار کرے اس عام انسانی زندگی میں اوصاف حیوانی بھی موجود ہوں کہ اسے زندگی کا احساس ہو کھانا پینا معاملات بیوی بچے والدین دوست دشمن قوم ملک ہر ایک کے ساتھ ان کے حقوق کو پہچانتا بھی ہو اور انہیں ادا بھی کرتا ہو ان سب عوارضات کے ساتھ زندہ رہنا اور ان کی تکمیل کے لئے کوشاں رہنا حیوانی زندگی ہے انہیں تمام فرائض کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق پورا کرنا یہ صفات ملکوتی ہیں کیونکہ فرشتے کی سب سے اعلیٰ صفت جو ہے وہ اطاعت الٰہی ہے۔

یا یعصون الله ما امرهم ویفعلون مایومرون

اس حکم کی جو اللہ انہیں دیتا ہے کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے اور ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اپنی حیوانی زندگی کا شعور کھانا پینا لباس ملنا جلنا کاروبار دوستی اور دشمنی یہ سب سمجھنا اور اس میں پوری طرح سے اپنا حصہ لینا یہ اوصاف حیوانی ہیں لیکن اس کی ان حیوانی اوصاف میں ملکوتیت غالب ہو جاتی ہے جب فرشتے کی صفت غالب ہو جاتی ہے اور فرشتے کی صفت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے اپنے ان تمام امور میں اطاعت الٰہی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اس میں والدین کے حقوق ہوں اولاد کے حقوق ہوں قوم کے حقوق ہوں ملک اور سلطنت کے حقوق ہوں عام معاشرے کے حقوق ہوں بیوی بچوں کے ہوں دوست اور احباب کے ہوں تو ان سب کا وہ اس انداز سے لحاظ رکھتا ہے جس کا حکم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے اور یہ اس طرح سے ان کی نگہداشت کرنا یہ اوصاف ملکوتی ہے۔

اور جب یہ دونوں صفات انسان میں بیک وقت پائی جائیں تو وہ درجہ انسانیت پہ فائز ہوتا ہے پھر اسے انسان کہتے ہیں حلال حرام جائز ناجائز پاک ناپاک کی تمیز نہ ہو لیکن وہ کھاتا پیتا کماتا اور خرچ کرتا ہو اسے حیوانیت کہتے ہیں جس میں مطلق اطاعت ہو لیکن اسے کھانے پینے کا کمانے کا خرچ کرنے کا دوستی دشمنی کا ہوش نہ ہو تو یہ صفات ملکوتی ہیں فرشتے کے اوصاف ہیں کہ ہمہ وقت اللہ کی یاد میں رہے اللہ کی عبادت کرتا رہے اس کے علاوہ کچھ نہ کرے جب یہ دونوں ایک وجود میں جمع ہو جائیں تو یہ انسانیت بنتی ہے اور انسانیت کا مقام ان دونوں سے بلند ہے۔

حیوان صرف جسمانی زندگی کے لئے کوششیں کرتا ہے اور فرشتہ ہر حال میں اطاعت الٰہی کے لئے کوشش کرتا ہے لیکن جسمانی زندگی کے لوازم اس کا مسئلہ نہیں ہے جہاں جسمانی زندگی کے لوازم کی ضرورت بھی ہو اور ان سب لوازمات کو اللہ کے حکم اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق رکھا جائے تو یہ انسانیت ہے اور انسان کی تربیت اس لئے کی جاتی ہے

کہ اس میں انسانیت پیدا ہو اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام انسانیت کا کامل نمونہ ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ نمونہ ہے ذات محمد رسول اللہ ﷺ کہ ایک طرف آپ کے مقامات کی عظمتیں وہ ہیں کہ وہاں فرشتہ پر نہیں مار سکتا اور صفات ملکوتی کے حامل بھی وہاں نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتے دوسری طرف آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اتنی عام انسانی زندگی ہے کہ ایک ان پڑھ ایک گڈریا ایک چرواہا یا جنگل میں رہنے والا بھی اس بات کا مکلف ہے کہ اپنی زندگی اس طرح بسر کرے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بسر فرمائی۔

اور یہی سب سے عام معیار ہے زندگی کا کہ ہر آدمی بلا تکلف کام کر سکے اسی لئے بعض علماء نے بڑی محققانہ گفتگو فرمائی ہے اس پر کہ جو لوگ اپنے فرائض کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی ایک فریضے کے پیچھے لگ جاتے ہیں مثلاً بعض لوگوں کو یہ شوق ہے کہ ہر سال حج کریں انہوں نے زندگی میں پچاس پچاس حج کر لئے لیکن ان کی بیویاں نان ونفقہ سے محروم رہیں اور ان کی اولاد تعلیم سے محروم رہی ان کے والدین خدمت سے محروم رہے یا معاشرے کے جو حقوق ان پر بنتے تھے انہوں نے وہ ادا نہ کئے تو صرف حج کرنے کا کیا فائدہ! وہ اللہ نے زندگی میں ایک بار فرض کیا آپ نے پچاس بار کر لیا تو کیا تیر مارا یا ادھار لے کر یا قرضہ لے کر یا جائیداد بیچ کر یا اور کوئی اس طرح کی مصیبت اپنے سر لگا کر حج کرنے تو چلے جائیں گے اس کے علاوہ اولاد کے فرائض ذمے رہیں گے لینا دینا لوگوں کو ادھار ذمے رہ جائے گا اور بے شمار فرائض جو ہیں معاشرے کے قوم کے ملک کے ان کی پرواہ نہیں ہوگی۔

بعض لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ انہیں نفلیں پڑھنے کا تو بہت شوق ہے رات دن نفلیں تو پڑھتے رہیں گے اور جتنی عبادت یہ کرتے ہیں اتنی عبادت عام آدمی نہیں کر سکتا اچھی بات ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ صرف نفلیں پڑھی جائیں دوسرے سارے فرائض یکسر فراموش کر دیئے جائیں مزدوری نہ کی جائے نوکری نہ کی جائے کھیتی باڑی نہ کی جائے کمایا نہ جائے بچوں کو نہ پالا جائے دوسرے احباب قوم ملک سلطنت کے سب حقوق بھلا کر صرف نفلیں پڑھنا تو کوئی کمال نہیں ہے نبی کریم ﷺ کثرت سے نفلیں پڑھا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کی عملی زندگی کس قدر مصروف تھی اس کا بھی تو کوئی اندازہ کرے آپ ﷺ کی گھریلو زندگی آپ کی دینی زندگی اور آپ کی معاشرتی زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو بیک وقت وہ ایک ہستی ایک وسیع کنبے کی نگہبان پورے عالم اسلام کی قائد امام استاد مفتی اور قاضی اور وہی ایک ہستی پوری اسلامی سلطنت کی نگہبان امیر بادشاہ حکمران قانون ساز تو ان تمام مصروفیات کو ایک لڑی میں پرو کر ایک معیار زندگی بسر کرنا یہ تو صرف آپ ﷺ کا کمال تھا ایسا تو ہونا ممکن نہیں ان میں سے کوئی ایک بات جس آدمی کے گلے پڑ جاتی ہے وہی ایک بات اسے ہمیشہ کے لئے مصروف کر لیتی ہے کسی کی دو تین بیویاں ہیں دس بارہ بچے ہیں وہ اور کسی کام کا نہیں رہتا صرف انہی کا ہو کر رہ جاتا ہے اگر کثرت عیالداری ہے تو اس سے دوسرے سارے شعبے چھوٹ جاتے ہیں یا کسی کے پاس عہدہ حکومت یا اقتدار ہے تو اسے گھر والے بھی یاد نہیں رہتے بمشکل اسی کو ڈیل کرتا ہے اسے بھی پوری طرح کر نہیں پاتا یا کسی کے پاس مدرسہ یا خانقاہ ہے تو سوائے مدرسہ چلانے یا اس خانقاہ کا انتظام سنبھالنے کے وہ دنیا کے کسی کام کا نہیں رہتا اسے کسی سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا تو یہ ساری کمزوریاں ہیں! کمال یہ ہے کہ وہی انسان بیک وقت معیاری انسانی زندگی بسر کرے اپنی غذا پیدا کرنے کے لئے وسائل اور ذرائع اختیار کرے نرے حج کرنے سے زیادہ فرض وہ حقوق ہیں جو دن کے ہر حصے میں مختلف اوقات میں ہم پر فرض ہوتے رہتے ہیں والدین کے حقوق ہیں بہن بھائیوں کے ہیں معاشرے کے ہیں اولاد کے ہیں ان سب کو ایک حسن امتزاج سے

رکھنا اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرنا یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرا بھی اس بات کو مانے بلکہ اللہ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے اللہ اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنی طرف سے اطاعت کی پوری کوشش کرے کہ قوم اور ملک کے جو اس پر حقوق ہیں ان کے لئے فکر مند ہو اور ان میں اپنا حصہ ادا کرے یہ سارا توازن رکھتے ہوئے یہ سارے کام کرتے ہوئے پھر اگر وہ کثرت سے نوافل پڑھ سکتا ہے تو نور اعلیٰ نور ہے لیکن صرف نفلیں شروع کر دینا اور باقی سارے کام چھوڑ دینا یہ نیکی نہیں ہے بلکہ یہ ایک خام خیالی ہے نفل بہر حال نفل ہے اور وہ فرض کا متبادل نہیں ہو سکتی جو فرائض انسان پر ہیں انہیں بطور احسن ادا کرنے کی فکر کرے۔

تو انبیاء کا زندگی کا طریقہ ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ انسانی زندگی بسر فرماتے ہیں جس میں وہ انسانوں ہی کی طرح کماتے ہیں کھاتے پیتے ہیں کام کاج کرتے ہیں اس کے ساتھ اللہ کا حکم بھی لوگوں تک پہنچاتے ہیں ایک پورا معاشرہ تشکیل دیتے ہیں اور اللہ جل شانہٗ کی طرف اللہ کے بندوں کو لے کر چلتے ہیں اور سب سے زیادہ کام اس میں نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد ساری انسانیت کو اس راستے پر لے کر چلنا اور ان تک اس راستے کے نشیب و فراز کے متعلق معلومات پہنچانا اور جو چلنا چاہیں انہیں لے کر ساتھ چلنا یہ آپ ﷺ کا فریضہ نبوت و رسالت ہے۔

کفار کا یہ خیال اللہ نے اس دلیل سے رد کر دیا کہ حضور اکرم ﷺ کوئی پہلے رسول تو نہیں ہیں پہلے بھی نبی تھے جن کے متعلق تم بھی مانتے ہو تمہیں بھی اقرار ہے قریش مکہ بھی اپنے آپ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہم آپ کے متبع ہیں یا یہودی موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا دعویٰ رکھتے تھے یا نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا دعویٰ رکھتے تھے تو فرمایا۔

وما ارسلنا قبلک من المرسلین

آپ ﷺ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے ہیں جن میں سے بعض کو یہ لوگ مانتے بھی ہیں۔

انھم لیا کلون الطعام ویمشون فی الاسواق۔

وہ بھی اسی طرح کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے گلیوں میں آتے جاتے تھے ان کی زندگی بھی عام انسانی زندگی تھی جنہیں یہ خود مانتے ہیں ان کی زندگی بھی عام انسانی زندگی تھی نبی کی زندگی انسانی ڈگر سے ہٹ کر نہیں ہوتی انسانوں سے الگ ہو کر نہیں ہوتی اعلیٰ انسانی اقدار کی حامل ہوتی ہے اور یہی غلط فہمی ولایت کے بارے میں لوگوں میں پیدا ہو گئی ہے۔

کہ اولیاء اللہ کوئی عجیب و غریب مخلوق ہوتے ہیں اور وہ جنگلوں میں رہتے ہیں کسی سے بات نہیں کرتے کھاتے پیتے نہیں ہیں کوئی بیوی بچہ نہیں ہوتا کوئی گھر بار نہیں ہوتا تو اگر ایسی کوئی مخلوق ہوتی ہے تو اس سے انسانیت کو کیا فائدہ جنگلوں میں تو پہلے بھی بے پناہ قسم کی مخلوق رہتی ہے جس کی ہم قسمیں بھی نہیں گن سکتے اگر کچھ انسان بھی جا کر جنگلوں میں بسیرا کر کے رہنا شروع کر دیں تو کمال کیا ہوا؟ یا ایک شخص معاشرے میں حصہ ہی نہیں لیتا کسی سے اس کا لینا نہیں ہے دینا نہیں ہے کاروبار نہیں ہے خرید و فروخت نہیں ہے تو اس کے اعلیٰ انسانی اقدار کے حامل ہونے کا کیا پتہ چلے گا اس کی دیانت داری کا کیا پتہ چلے گا اس کے سچ بولنے کا کیا معیار ہے اس کی امانت کا کیا معیار ہے کچھ بھی نہیں تو ایسا آدمی رات بھر کھڑا ہو کر نفلیں پڑھتا رہتا ہے تو اس کی نفلوں کی اللہ کریم کو کیا ضرورت ہے ایسی نفلوں سے کیا بنے گا!

نبی کریم ﷺ نے تمام تمام رات عبادت فرمائی ہے کھڑے ہو کر یہ درست ہے لیکن کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ جتنا دینوی سیاسی دینی کام نبی کریم ﷺ نے کیا روئے زمین پر کوئی دوسرا انسان اس کی مثال پیش کر سکتا ہے؟؟ آپ صرف حیات طیبہ کا ایک پہلو دیکھیں مدینہ منورہ

میں حضور اکرم ﷺ نے دس برس حیات مبارکہ بسر فرمائے اس دس سالہ مدنی حیات مبارکہ میں اسی (۸۰) سے اوپر جنگیں چوراسی یا تراسی کے قریب غزوات و سرایہ بنتے ہیں کچھ ایسی جنگیں جن میں حضور ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور کچھ ایسی جنگیں ہیں جن میں اپنا نائب کسی کو بنا کر بھیجا لیکن وہ ساری حضور اکرم ﷺ کی ذات والاصفات سے متعلق تھیں آپ اندازہ کریں کہ جب سے پاکستان بنا ہے تقریباً اس نصف صدی میں دو جنگیں ہوئی ایک ۱۹۵۶ء میں اور وہ بھی پندرہ سولہ دن رہی تھی اور ایک اکہتر میں لیکن ابھی تک قوم سنبھل نہیں سکی اور جب بات ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ جی لڑائی کے بعد جو مہنگائی آئی ہے مصیبت آئی ہے جو تکلیفیں آئیں ان کا ابھی تک کوئی علاج نہیں ہو سکا یعنی پچاس سالوں میں اگر دس دس دن کی دو لڑائیوں نے ہمیں اتنا پیچھے دھکیل دیا ہے تو دس سالوں میں چوراسی جنگیں لڑ کر اس قوم کو پیچھے لے جانے کی بجائے آگے لے جانا اور وہ قوم بجائے مجبور و بے بس مہنگائی غربت و افلاس میں پسنے کے روئے زمین کی فاتح بن جائے تو یہ کیا آسان کام ہے؟

عالم اسلام کی بنیاد روئے زمین کے کفر کے سامنے رکھنا پورے روئے زمین کے کفر کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر ہر مسلمان کی بات سننا ایک ایک کے ذاتی کام میں دلچسپی لینا اور چھوٹی چھوٹی باتوں یعنی شادی کے رشتوں اور بچوں کے نام رکھنے سے لے کر قومی جنگوں تک اور ا۔ب۔ت سیکھنے والے سے لے کر بڑے سے بڑے مفسر و محدث تک کی تربیت بنفس نفیس فرمانا اور اس کیساتھ دن بھر کی نمازوں کی قیادت بھی خود فرمانا اور پھر اگر کوئی ساری رات کھڑا ہو کر نفلیں پڑھے تو نفلیں پڑھنے کا مزہ آ جائے یہ تو ہوئی سنت پھر تو اس نے حضور اکرم ﷺ کا اتباع کیا۔

لیکن صرف نفلیں شروع کر دینا اور اپنے دوسرے سارے فرائض بھول جانا یہ تو کوئی نیکی نہ ہوئی یعنی اتباع تو وہ ہے جو کامل کیا جائے مکمل طور پر کیا جائے ہر لحاظ سے اتباع کیا جائے یہ جو عرف عام میں مشہور ہو گیا ہے کہ کوئی آدمی ایسا ہو جو کسی کی بات نہ سنتا ہو کسی سے ملتا نہ ہو کھاتا پیتا نہ ہو سوتا جاگتا نہ ہو اس کا گھر گھاٹ کوئی نہ ہو جنگلوں میں رہتا ہو تو وہ ولی اللہ ہوتا ہے میری سمجھ میں یہ منطق نہیں آتی کہ اس کی ولایت کا کیا فائدہ وہ کس بات کا ولی ہے ایہ الگ بات ہے کہ اہل اللہ میں کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں جن کا یہ حال ہوا ہے جن کے بارے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچے وہ راستے میں رہ گئے کسی کی قوت برداشت جواب دے گئی کسی کو تربیت کرنے والا نہ مل سکا تو یہ نقص کی دلیل ہے کمال کی دلیل نہیں کمال جو وہ انسان بننے میں ہے اور انسان حیوان اور فرشتے دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے انسان مظہر ہے قدرت باری کا انسان ایسی تخلیق ہے اللہ کی جس میں سے اللہ کی صفات اور اس کا کمال نظر آتا ہے کہ بیک وقت ایک وجود میں کتنی بے شمار خوبیاں اس ذات نے جمع فرما دیں تو بھی اعتراض کفار کو انبیاء پر بھی ہوتا تھا لیکن انبیاء کی زندگی ہمیشہ عام انسانی معیار کے مطابق ہوا کرتی تھی اگرچہ فرشتے آپ ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوتے تھے اگرچہ آپ ﷺ کے معجزات بے حد و بے شمار ہیں لیکن حیات طیبہ کا معیار وہی تھا جو ایک عام آدمی اختیار کر سکتا ہے اس لئے ہر آدمی مکلف ہے حضور ﷺ کے اتباع کا اسلام کے نزدیک یا اسلام کے معیار کے مطابق بہترین مقام جو ہے وہ انسان کا ہے اور انسان جو ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے کہ کوئی انسان بن کر دکھائے اور انسانیت کیا ہے۔ انسانیت یہ ہے کہ اپنی تمام ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے انہیں اس طرح سے ادا کرے جس طرح ادا کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے جس طرح ادا کرنے کا طریقہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے زندگی سے فرار یا اسلام کے نام پر درست نہیں کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں سے جان

بجائے کام کرنے سے جان چھڑائے اپنے حقوق کو پس پشت ڈال دے اور بھاگ کر گوشہ نشین ہو جائے اس پر یہ سمجھے کہ میں اللہ پر احسان کر رہا ہوں درست نہیں ہے یا جیسے بعض لوگ گوشہ نشین ہو کر ذکر اذکار کرنے پہ لگ جاتے ہیں اور دنیا کے دوسرے کام یا دوسری ذمہ داریاں جوان کے ذمے ہیں وہ فراموش کر دیتے ہیں یا بعض لوگوں کو تبلیغ کا وہم ہو گیا ہے وہ تبلیغ کے لئے نکل جاتے ہیں سال سال کی خبر ہی نہیں کوئی پوچھنے والا ہی نہیں بیوی بچوں کا کوئی پرسان حال نہیں اگر جانا ہے سال کی تبلیغ پر تو ضرور جایئے لیکن ایک سال کی روٹیاں ایک سال کا خرچ اخراجات ایک سال کے سکول کے اخراجات ایک سال کی حفاظت گھر کی ذمہ داری یہ سارے اہتمام کر کے جائے کوئی پھر تو جائے اور ان سارے فرائض سے جان چھڑا کر بھاگ جانا اور سمجھنا میں نیکی کر رہا ہوں یہ تو جائز نہیں یہ تو نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو چوری ہے کہ اپنے فرائض چھوڑ دے یہ تو اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی اس غیر حاضری میں اگر بچے چوری کریں گے بیوی بددیانتی کرے گی اگر وہ نماز نہیں پڑھیں گے اگر وہ نیکی نہیں کریں گے اگر وہ جھوٹ بولیں گے اگر وہ برائی کریں گے تو ان سب کا ذمہ دار وہ شخص ہے جس نے انہیں تنہا چھوڑ دیا اور اس نے فرائض سے غفلت برتی۔

صرف کسی ایک فرض کو اس طرح سے اختیار کر لینا مثلاً کوئی شخص نماز ہی پڑھنا شروع کر دے تو جب دیکھو نماز پڑھ رہا ہو لیکن جہاں ملازمت کرتا ہے انہیں شکایت ہے کہ تنخواہ لے لیتا ہے کام پورا نہیں کرتا تو اس کی کثرت نماز کا کیا فائدہ ہوگا!۔

ولایت کیا ہے؟ ولایت انسانوں سے الگ ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ جتنے کامل ولی اللہ گزرے ہیں انہوں نے انسانیت کو نبی کریم ﷺ کا پیغام بھی اور آپ ﷺ کی برکات بھی پہنچائی ہیں وہ لوگ جو عام انسانوں میں عام انسانی سطح پر چل پھر کر جیئے وہ لوگ جنہوں نے اپنے بچوں کی پرورش کی وہ لوگ جنہوں نے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے فرائض کو پہچانا بھی اور انہیں حضور اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق ادا بھی کیا انہی نے خالص اور کھرا دین لوگوں تک پہنچایا بھی اور لوگوں کو دین پر چلایا بھی اور جو لوگ کسی بھی ایک طرف ہو گئے اور اعتدال سے ہٹ گئے وہ خود اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے دوسروں تک پہنچانے کی باری تو تب آتی جب وہ پہلے اپنے آپ کو صحیح سنبھال لیتے جو شخص خود اٹھ کر چل نہیں سکتا دوسرا کوئی امید رکھے کہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلے گا وہ کیسے رکھے یا کسی کو کندھا دے کر کیسے سہارا دے گا جن لوگوں سے خود اعتدال کا راستہ چھوٹ گیا عجیب بات یہ ہے کہ ایسے ہی غیر معتدل لوگوں کو ہمارے ہاں ولی اللہ تصور کیا جاتا ہے جن کی زندگی ادھوری ہو جائے جو اپنے معاملات اور اپنے فرائض پوری طرح ادا نہ کر سکتے ہوں اور یہ تخیل غیر اسلامی ہے قرآن نے کفار کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔

کافروں کا یہ خیال تھا کہ انبیا کو کام کاج نہیں کرنا چاہیے کھانا پینا نہیں چاہیے کچھ کمانا نہیں چاہیے لوگوں سے ملنا جلنا گلیوں بازاروں میں گزرنا نہیں چاہیے بلکہ کوئی عجیب وغریب طرز کی زندگی ایسی زندگی جو عام انسان کیلئے ممکن نہ ہو تو اللہ کریم نے اس کا رد فرمایا اور فرمایا تمام انبیاء اور رسل جو مبعوث کئے گئے حتیٰ کہ انبیاء کے پاس ملک اور سلطنت بھی رہی دولت بھی رہی اس کے باوجود انہوں نے اپنا رزق پیدا کرنے کے لئے اسباب و وسائل پیدا کئے اور اس حکومت و سلطنت کے خزانے پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا جوان کے دم قدم سے قائم تھی رب کریم نے خود معجزاتی طور پر ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ اللہ کا نبی خزانے کا محتاج بن کر نہ رہے بلکہ وہ اپنے لئے رزق جائز ذرائع سے پیدا فرمائے۔

تو ولایت کیا ہے ولایت یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض کو پہچانتا ہے؟

آپ پورے ملک میں دیکھیں ہڑتالیں ہوں گی جلسے ہوں گے جلوس نکلیں گے کیا ہے کہ ہمیں ہمارا حق چاہیے کلرک کہتا ہے میں ہڑتال کر رہا ہوں مجھے میرا حق نہیں ملتا ڈاکٹر کہتا ہے میں ہڑتال کر رہا ہوں مجھے میرا حق نہیں ملتا زندگی کے ہر شعبے میں آپ دیکھیں کہیں ٹرانسپورٹ کی ہڑتال ہے کہیں دوکانداری ہڑتال ہے کہیں ڈاکٹروں کی ہڑتال ہے کہیں اساتذہ کی ہڑتال ہے کیوں ہے بھئی سب کی بات ایک ہی ہوتی ہے کہ ہمیں ہمارا حق نہیں ملتا لیکن ان سے پوچھا جائے کہ تم لوگ جو اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہو تم فریضہ ادا کرتے ہو؟ تو اس طرف کسی کا خیال ہی نہیں ہے آپ دفتری لوگوں کو دیکھیں سارا دن ٹانگ پہ ٹانگ دھرے بیٹھے ہیں چائے پی رہے ہیں تاش کھیل رہے ہیں کوئی کام نہیں ہے آپ مزدور کو دیکھیں کام نہیں کرے گا ویسے گپیں لگا رہا ہے آپ استاد کو دیکھیں ہمارے سکولوں کا یہ حال ہے کورس تین مہینوں میں پڑھایا جا سکتا ہے اور جو اساتذہ پورے سال میں نہیں پڑھا سکتے نہیں پڑھاتے تنخواہ لے لیتے ہیں پڑھاتا کوئی نہیں اسی طرح آپ دوکانداروں کو دیکھیں ان کی سوچ یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو بھی آرام ہو میں بھی اپنی روٹی کماؤں ہر دوکاندار یہ چاہتا ہے کہ جتنے پیسے میں کسی سے چھین سکوں چھین لوں یعنی سارے لوگ اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں کوئی آدمی اپنا فریضہ ادا نہیں کرتا ایک کا فریضہ دوسرے کا حق ہوتا ہے مثلاً جب کلرک کام نہیں کرتا تو کام کرنا اس کا فرض تھا لیکن دوسرے کا حق اس کی فائلوں میں دبا ہوا پڑا ہے کتنے لوگوں کی تنخواہیں کتنے لوگوں کے بل ہیں کتنے لوگوں کے کام اٹکے ہوئے ہیں یہ کام کرتا تو ان کے حقوق ان تک پہنچ جاتے ڈاکٹر اپنے حق کے لئے ہڑتال تو کر لیتا ہے لیکن برلب گور جو مریض تڑپ رہا ہے وہ جو زخمی گولیوں سے چھلنی اس کی ٹیبل پر پڑا تڑپ رہا ہے اس کی مرہم پٹی کرنا اس کا فرض نہیں؟ بیماروں کو دیکھنا اس کا فرض نہیں؟ جب اپنے فرض کو وہ نہیں دیکھتا تو اس کے حقوق بھی کسی کے فرائض ہیں کہ ہر آدمی کا جو حق ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کا فرض ہوتا ہے اگر یہاں رہنے والوں کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ ترقی حاصل کریں تو میں جب اس ادارے کا سربراہ ہوں تو میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں ان کی تربیت کروں میں ان کو بات بتاؤں ان کے لئے محنت کروں اگر میں اپنا فرض چھوڑ دوں گا تو ان تک بات نہیں پہنچے گی اس طرح ہر شخص کا حق کسی دوسرے کا فرض بنتا ہے جب ہم اپنے فرائض چھوڑ دیتے ہیں اور صرف حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو کسی کو حق نہیں ملتا اس لئے نہیں ملتا کہ ہم میں سے ہر ایک کے حقوق ہم نے خود ہی دبا رکھے ہیں کسی کا حق میں نے کام نہ کر کے ضائع کر دیا دوسرے نے کام نہ کر کے دس اور آدمیوں کا حق ضائع کر دیا۔

تو اسلام اسے انسان کہتا ہے جو حق کو معاف بھی کر سکے اسلامی زندگی یہ ہے کہ جو آپ کا حق بنتا ہے آپ میں یہ جرات ہو کہ اپنا حق تو آپ معاف بھی کر سکیں لیکن جو فرض بنتا ہے اسے ہمیشہ پوری دیانتداری سے ادا کریں کہ کسی کا حق آپ کی طرف نہ رہ جائے ہم نے اسے الٹ دیا ہم اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں یا اس میں سے بھی کچھ چھوڑ دیتے کچھ معاف کر دیتے کچھ درگزر کر دیتے تاکہ اس کے طفیل جو کوتاہیاں ہم سے ہوئیں اللہ کریم ہم سے بھی درگزر فرمائیں تاکہ جس بارگاہ میں ہماری کوتاہیاں ہو رہی ہیں ہوتی ہیں وہاں سے ہم پر رحم فرمایا جائے۔

قرآن حکیم کا اسلوب یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ حیات انسانی حیات ہے انسانی زندگی ہے ہر ایک کو چاہیئے کہ وہ کوشش کرے کہ نبی کریم ﷺ کی برکات کو حاصل کر کے پہچاننے کے ساتھ پوری دیانت داری سے انہیں ادا کرنے کی کوشش کرے اس طریقے پر جو نبی رحمت ﷺ نے تعلیم فرمایا۔

☆☆☆

تحفظ حقوقِ نسواں بل.......!

اُم فاران

پھر حج کا موسم آ گیا ہے اور ہر مومن جس کے دل میں ذرا بھی نورِ ایمان ہے انہیں قابل رشک نظروں سے دیکھتا ہے جن کا بلاوا آ گیا ہے اور جو قافلہ در قافلہ کشاں کشاں تلبیہ و تہلیل پڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن اب کی بار دل میں رشک کرنے کی جرات بھی باقی نہیں رہی۔ اپنی کم مائیگی، بے حسی یا بے بسی کا کیا کیجئے کہ جس نے اس لائق بھی نہ چھوڑا کہ درِ مصطفیٰ پہ حاضری کی تمنا ہی دلِ حزیں میں پال سکیں۔

کس نیت کا نام لیں؟ کس ایمان کا دم بھریں؟ کونسا منہ لے کر وہاں جائیں؟ کس برتے پہ خود کو مسلمان ہی کہیں؟ اُمت خیر الانام کے وارث! جن کو حضورؐ نے یہ خدمت سونپی تھی۔

كنتم خير امة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر ۝ وتؤمنون بالله ۝ (الحج)

لیکن اپنی بداعمالیوں کے سبب ہم اس بہترین امت کے ماتھے کا جھومر بننے کی بجائے کلنک بنتے جا رہے ہیں۔ ہم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے سزاوار ہی کہاں رہے ہیں۔ ہماری کمزوری نے اغیار کو یہ راہ دی ہے کہ وہ اللہ کے دین کو کمزور بنانے کی جسارت کر سکیں۔ حدود اللہ کو ہم نے اپنے اعمال سے پامال کیا تو اب بندوں نے اللہ کے قانون میں ترامیم کرنا شروع کر دی ہیں

جو خود نہ تھے راہ پر وہ اوروں کے ہادی بن گئے

اور ہر ایسے نازک موڑ پہ مجھے حضور اکرمؐ کا یہ فرمان یاد آتا ہے "تم پر تمہارا کردار حکومت کرے گا"۔ دوسروں پہ انگلی اٹھانے سے قبل ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہوگا۔ تو یہ ہے ہمارا کردار کہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت و آبرو کی محافظ حدود الٰہی کو بدلنے کے مرتکب ٹھہرے۔

یہ بل جسکو تحفظ حقوق نسواں بل کا نام دیا گیا ہے یہ اُن چند [illegible] کے تحفظ کا ضامن تو ہو سکتا ہے جن کے پاس بچا کر رکھنے کو کچھ بھی [illegible] لیکن ان لاکھوں خواتین کے سر سے آبرو کی ردا کھینچنے کے مترادف ہے جو آج بھی دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ کوئی بھی ذی شعور اور عاقل و بالغ فرد جو دعویٰ ایمان بھی رکھتا ہے کیونکر ایسا قانون ملک میں لا سکتا ہے جو سراسر اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے اس کی لاگو کی ہوئی حدود کو نہ صرف پامال کرتا ہے بلکہ اس کے مستحق [illegible] ہے۔ جو اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے یہ ملک جسے اسلام کا [illegible] قلعہ تصور کیا جاتا ہے جو اسلام کے نام پہ معرض وجود میں آیا۔ جس کے لئے لٹنے اور شہید ہونے والوں نے کسی Unlighten Moderation کیلئے اور کافر کی تقلید اور رضا کیلئے قربانیاں نہیں دیں۔ وہاں قانون کے نام پہ اسلام کے ساتھ اس قدر بھونڈا مذاق کیا جائے گا کوئی صاحب ایمان مسلمان اور سچا پاکستانی ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے۔ یہ کسی دباؤ کا نتیجہ ہے یا خوش فہمی کا شاخسانہ جو بھی ہے کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے جن قوموں کی پیروی میں ایسا کیا جا رہا ہے کیا ان کے حالات کا عبرتناک انجام آپ کو نظر نہیں آ رہا۔ زنا بالجبر اور زنا بالرضا کو تحفظ دے کر عورت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے نہ کہ حفاظت مہیا کی جا رہی ہے۔ چادر و چار دیواری اگر اہل اقتدار کے نزدیک قید ہے تو اپنے ملک و معاشرے کو اس قدر محفوظ بنایئے کہ ایک عورت بغیر محرم کے ملک کے طول و عرض میں سفر کرے اور دورِ فاروقی کی طرح کسی میں اس کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرات نہ ہو۔ اس کا یہ حل تو نہیں کہ اس کو بے ننگ و نام کر دیا جائے کہ جس کا جو جی چاہے سلوک کرے اس کو برائی تصور نہیں کیا جائے

گا۔ عورتوں کے حقوق کا اس قدر خیال ہے تو ان یتیم بچیوں اور بیواؤں کے سروں پہ ہاتھ رکھیے اُن کے لئے سرکاری خزانے سے الاؤنس مقرر کیجئے' مفت صحت و تعلیم کا انتظام کیجئے جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے جو چوراہوں پہ بھیک مانگنے پہ مجبور ہیں' کوڑا دانوں سے بچوں کیلئے غذا ڈھونڈتی نظر آتی ہیں یا ذرا غیرت مند ہیں تو دوسروں کے گھروں میں کام کر کے گزر اوقات کر رہی ہیں۔ ملک سے جہیز جیسی لعنت کا سدباب کرنے کی سبیل کیجئے جس کے باعث کتنے غربا کی بچیاں ماں باپ کے دروازے پہ بیٹھی عمریں گزار رہی ہیں اس لئے کہ جو نان جویں کو ترس رہے ہیں وہ جہیز کی مانگیں کہاں سے پوری کریں۔ یا ان رسوم کے خلاف قوانین بنائیے جو غیر انسانی بھی ہیں اور غیر اسلامی بھی۔ لیکن جہالت کے باعث آج بھی قبائیلی نظام میں رائج ہیں۔ ملک میں تعلیم اور نصاب کو صحیح راہوں پہ استوار کیجئے تاکہ ہمارے یہ لعل و گہر خاک میں رُلنے کی بجائے اس ملک کی رگوں میں خون بن کر دوڑ سکیں۔

یہ بل جس تیز رفتاری کے ساتھ آیا' اسمبلیوں سے پاس اور مقتدر ہستی کے دستخط ثبت ہوئے' گویا ملک میں نافذ العمل ہو گیا اس سے ہی اس قانون کو بنانے والوں کی نیک نیتی اور خیر خواہی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس پہ مستزاد یہ کہ ہر مرحلے طے ہونے کے بعد بل کو علما کی کونسل میں پیش کیا گیا اور اُن سے رائے لی گئی۔ یہ عذر تو صحیح معنوں میں بدتر از گناہ ہے۔ رہا سوال علما کا تو اب ان کے سر پیٹنے کا کیا فائدہ؟ قانون بن کر پاس ہو کر نافذ بھی ہو گیا یہ رائے دیں تو کیا نہ دیں تو کیا۔ فرقہ بندیوں اور ذاتی مفاد پہ جان دینے کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے اسمبلیوں میں براجمان ہونے کے باوجود ایسے قانون بن بھی رہے ہیں اور پاس بھی ہو جاتے ہیں۔ افسوس ہے تو اس بات پہ کہ یہ سب اسلام کے نام پہ کیا جا رہا ہے۔ علما اسلام کا لبادہ اوڑھ کر سیاست کر رہے ہیں اور جو اسلام کی روح تو کیا الف' ب سے بھی واقف نہیں' وہ اسلام کے نام پہ قانون سازی کر رہے ہیں۔ التجا ہے ان لوگوں سے کہ اپنے مقاصد کے لئے اسلام کی آڑ لینا اور اسلام کو بدنام کرنا چھوڑ دیں یہ تو اللہ کے ساتھ کھلی جنگ ہے۔

اس قوم کے ساتھ آخر کیا ہونا باقی رہ گیا ہے۔ یہاں قانون نام کی کوئی شے اول تو ہے ہی نہیں' جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ظالم سرکش ہوتے جاتے ہیں اور مظلوم' مظلوم تر' وہاں پہ اگر قانون ہی اس طرح بننے لگیں جو انارکی کو تحفظ دیں تو انجام کیا ہوگا یہ جاننا کچھ ایسا مشکل نہیں رہا۔ کچھ عرصے سے چرچا سنتے آرہے ہیں حدود کے ظالمانہ ہونے کا۔ جو پروپیگنڈا کفار کر رہے تھے اب اس کا بیڑہ دانشوروں اور این جی اوز نے اٹھا لیا ہے۔ یاد رہے' حدود الٰہی کو ظالمانہ کہنا یا سمجھنا خارج از اسلام کر دیتا ہے۔ وہ شخص جو حدود الٰہی کو توڑے وہ گنہگار ٹھہرے گا اور اس پہ حد لاگو ہوگی۔ لیکن جو کوئی اللہ کی بنائی ہوئی حدود کو ناجائز سمجھے مزید براں ان کو توڑنے والوں کو تحفظ فراہم کرے' انکے مخالف قوانین بنائے' وہ اپنے مقام کا خود تعین کرے گنہگار ہونا ایک بات ہے اور خارج از اسلام ہو جانا دوسری بات ہے۔ (معاذ اللہ)

اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ وہ بُرائی کی جڑ پہ وار کرتا ہے تاکہ بُرائی پنپ ہی نہ سکے تبھی تو عربوں جیسا بگڑا ہوا معاشرہ پاکیزہ ہو سکا اور اسلام نے دورِ جہالت کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ ایک ایسے دور میں انسانیت کی راہنمائی کی جب روئے زمین پہ کہیں امن و سلامتی' قانون اور انصاف اور عزت و آبرو نام کی کوئی چیز کسی کے بھی پاس نہیں تھی کیا یہ مثال ہمارے لئے کافی نہیں ہے۔ نیز کیا یہ بات جائز نہیں ہے کہ حد مقرر کرنے اور لاگو کرنے کی سزاوار فقط وہ ہستی ہو سکتی ہے جو زندگی اور موت کی مالک ہے۔ جس کا علم ازلی و ابدی ہے اور جو اس زندگی کا حساب لینے کا مجاز اور یوم جزا کا مالک ہے۔

یہ ہم جیسے ناقص العلم اور غریب الرائے لوگ اس کے قانون میں ترامیم کرنے نکلے ہیں یہ بھول کر کہ آدمی کا فسانہ فقط اتنا ہے کہ آج ہیں اور کل نہ ہوں گے۔

اس کے دین کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

افسوس ہے تو اس قدر کہ یہ مکروہ افعال ہمارے کردار کا آئینہ ہیں۔ ہماری

ملی و دینی غیرت و حمیت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

لوٹ اے گردشِ ایام! اب بہت ہو چکی۔ دل ناتواں پہ بار اب بہت بڑھ گیا ہے۔ ندامت سے سر کندھوں پہ گراں ہے حفاظتِ دین میں کٹ جانا چاہتا ہے۔ خون اب رگوں میں دوڑنے سے گریزاں ہے۔ اُبل کر راہِ دین میں بہہ جانا چاہتا ہے کہ کہیں ہماری نسلیں اسلام کی وراثت سے محروم نہ ہو جائیں۔

ہم پہ تو جو گزری شبِ ہجراں میں کم از کم ہماری آئندہ نسلوں کو تو اس کی سزا نہ ملے۔ ہمارے اسلاف کی قربانیاں اس قدر بھی رائیگاں نہ جائیں۔ جو ہو سکے تو جسم سے، جاں سے، قلم سے، زباں سے احیائے اسلام کی نوید لاؤ تا کہ کل یہ جان اس کے سپرد کرتے ہوئے دل میں کوئی حسرت، کوئی پچھتاوا نہ ہو بلکہ اپنے رب سے سرخرو ہو کر ملیں دل میں اس سے ملاقات کا شوق اور تڑپ ہو کہ یہ خاک بھی کہیں ٹھکانے لگے۔

............☆☆☆............

دل کو روشن رکھنے کے لئے اللہ کا قرب تلاش کرنے کے لئے، معاشرے میں مفید ہونے کے لئے اللہ کی مدد درکار ہوتی ہے۔ وہ مدد حاصل کرنے کے لئے اللہ کی رحمت درکار ہوتی ہے۔ وہ رحمت حاصل کرنے کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی تائید درکار ہوتی ہے۔ وہ تائید، وہ برکات، وہ توجہ حاصل کرنے کے لئے عبادت کی جاتی ہے۔ عبادت کی نقد اجرت یہ ہے کہ جب آپ عبادت کریں، جب آپ ذکر کریں، جب آپ تلاوت کریں، جب آپ درود پڑھیں، جب آپ تسبیحات پڑھیں، جب آپ مراقبات کریں تو دل میں ایک جرات رندانہ، ایک احساس، ایک شعور پیدا ہو کہ میں معاشرے میں کیا مثبت کردار ادا کر سکتا ہوں، کون سا ظلم ہے جو میں روک سکتا ہوں ورنہ کم از کم اپنے آپ کو تو ظلم سے روک لوں۔

"امیر محمد اکرم اعوان"

یونیک انٹرنیشنل گارمنٹس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

041-2664028
041-2665971

یو کے ہوزری مل لوکیان سمندری روڈ فیصل آباد فون

قسط نمبر 9

سلسلہ وار......................

قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کے احوال تاریخ تصوف میں اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد سوانح

''حیات طیبہ''

..................سے اقتباس

کار تجدید و احیائے دین

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون

بے شک ہم نے یہ قرآن اتارا ہے اور ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر۔۹)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس اعلان کے بعد تحریف قرآن تو شیاطین جن وانس کے لئے ممکن نہیں لیکن ہر دور میں شیطانی قوتوں کی حتی الامکان یہ کوشش رہی ہے کہ تحریف معنوی کی صورت میں تعلیمات قرآن اور دین الٰہی کو اصل صورت پر باقی نہ رہنے دیا جائے۔ حفاظت قرآن کے اس اعلان کو اگر الفاظ تک محدود سمجھ لیا جائے تو یہ صرف جزوی حفاظت ہوگی جو حفاظت الٰہیہ کے دعویٰ کو سزاوار نہیں۔ اس دعویٰ سے مراد حفاظت کلی ہے جس میں الفاظ و معانی دونوں شامل ہیں یہی وجہ ہے کہ آج تک نہ صرف کلام الٰہی کے ایک حرف یا شوشہ میں دست برد ممکن نہ ہو سکی بلکہ قرآن حکیم کی عملی تشریح آقائے نامدار ﷺ کی سیرت اور حدیث کی صورت میں بعینہ محفوظ ہے۔

تاریخ میں ایسی متعدد ہستیوں کا تذکرہ موجود ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حفاظت دین کا کام لیا۔ جب کبھی فکری اور عملی آلائشوں کے ذریعے دین کو مسموم کرنے کی سازش ہوئی تو ان نفوس قدسیہ نے دین کو ہر ایسی آلائش سے پاک کیا۔ ہر دور میں وقت کے تقاضوں کے مطابق اس کار تجدید و احیائے دین کی صورت مختلف نظر آتی ہے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسلام کے نظام خلافت کا احیاء کیا تو حضرت امام غزالیؒ نے دین کو یونانی فلسفہ اور علوم عقلیہ کی دراندازی سے پاک کرتے ہوئے نہ صرف عقائد بلکہ جزئیات دین تک کو اپنی بلند پایہ تصانیف میں ضبط کر دیا۔ مجددین کے تذکرہ میں آئمہ اربعہؒ اور حضرت غوث اعظمؒ جیسی ہستیوں کے اسمائے گرامی شامل ہیں لیکن جب برصغیر کا تذکرہ آتا ہے تو یہاں حضرت امام ربانیؒ کی دینی خدمات علمی اور عملی جہتوں میں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ انہیں مکمل تجدید و احیائے دین کہا جا سکتا ہے۔ حضرت جیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا۔

''امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ جن کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ان کو اللہ تعالیٰ ہندوستان کی سرزمین میں پیدا نہ کرتا' ہاں ان کے علاوہ اور صاحبان بہت ہیں لیکن ظاہری صورت یہ ہے کہ ہم بڑی بڑی لٹیں رکھ کر رنگدار کپڑے پہن کر دیویوں اور مورتیوں کے

سامنے بیٹھ کر رام رام کر رہے ہوتے۔ کفر کی گود میں جو حکومت پل رہی تھی' اسے نکال کر اسلام کی گود میں لائے''۔

دوسرا نام حضرت شاہ ولی اللہ کا ہے جن کے کارِ تجدید کا تعلق دین کے اس شعبہ سے ہے جسے احسان' سلوک' طریقت یا تصوف کہا جاتا ہے۔ تزکیہ باطن کے اس اہم شعبہ کا دارومدار برکات صحبت نبوی ﷺ پر ہے جن کی تقسیم و ترسیل کے لئے ایک عظیم باطنی نظام ہمہ وقت مصروف کار ہے۔ آفتاب نبوت ﷺ کی ضیا پاشی ہمیشہ کی طرح آج بھی جاری ہے' فرق صرف اس قدر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب براہ راست منور ہوئے تو آج نبی رحمت ﷺ اور ہمارے درمیان برزخ کا پردہ حائل ہے جو نگاہ بصیرت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے تقسیم برکات کے اس نظام کو بیان کیا' تکوینی امور کے اسرار سے پردہ اٹھایا اور ملاءاعلیٰ کی بات کی۔ آقائے نامدار ﷺ سے کلام اور تعلیم کی سعادت نصیب ہوئی تو ہر خاص و عام کے سامنے اس کا اظہار کر دیا۔ اپنی تحریروں میں وہ سربستہ راز افشاء کر دیئے جنہیں اس سے قبل صرف خواص تک محدود رکھا گیا تھا اور یہ شاید آنے والے دور کی ضرورت تھی۔ شاہ ولی اللہ کے بعد مادیت کے دور کا آغاز ہوا۔

مادیت کو روحانیت کی ضد کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں مادہ پرستی کی روش نے سب سے زیادہ دین کے شعبہ احسان کو متاثر کیا۔ دانشوری کے نام پر برکات کی نفی کی جانے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اپنی اپنی زبان میں ادائیگی نماز اور مصحف قرآنی کے بغیر خود ساختہ تراجم کے مطالعہ جیسے ابلیسی نظریات کی تشہیر کی گئی۔ منبع برکات چونکہ آقائے نامدار ﷺ کی ذات اقدس ہے' نفی برکات کے ساتھ حیات النبی ﷺ کا بھی انکار کیا جانے لگا جو عصر حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔

حضرت جیؒ ایک بے بدل تھے۔ آپؒ نے اس غارت گر ایمان فتنہ کے مضمرات کو دیکھتے ہوئے علمی اور عملی' دونوں میدانوں میں صرف دفاع ہی نہیں بلکہ جارحانہ مقابلہ کیا' حضرت جیؒ کی یہ جدوجہد تین جہتوں پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ آپؒ نے ملک بھر کے دورے کئے اور مساجد اور مکاتب میں حیات النبی ﷺ کے موضوع پر خطابات فرمائے۔ آپ کی نجی محافل میں اسی موضوع پر گفتگو ہوتی اور علماء کے ساتھ خصوصی مجالس میں علمی دلائل کے ذریعے ان کے اشکال دور فرماتے۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں حضرت جیؒ کی فکر اور ترجیح کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ نے شمالی علاقہ جات اور صوبہ سرحد بلوچستان کے آخری دوروں میں' حتیٰ کہ لنگر مخدوم میں اپنی زندگی کے آخری خطاب میں جماعت کو وصیت کی صورت میں ہدایات دینے سے قبل اسی موضوع پر خطاب فرمایا۔ حضرت جیؒ کی آخری تصنیف ''حیات النبی ﷺ'' بھی اسی موضوع پر ہے جس کے متعلق آپ کا فرمان ہے کہ یہ کتاب لکھنے کے لئے خاص طور پر مشائخؒ کی طرف سے آپ کو مامور کیا گیا اس وقت حضرت جیؒ کی یہ تصنیف اس موضوع پر سند اور ایک حوالہ جاتی کتاب کا مقام رکھتی ہے۔

تعلیمات کے ساتھ ساتھ جب تک عملی ثبوت پیش نہ کیا جائے بات منوائی نہیں جا سکتی۔ ایک طرف حیات النبی ﷺ کا انکار کیا جا رہا تھا تو اس کے مقابل حضرت جیؒ نے اعلان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ سے حدیث صحیح کرا سکتا ہوں۔ گزشتہ صفحات میں دو ایسی حدیثوں کا تذکرہ موجود ہے جن میں سے ایک حدیث کا مفہوم آپؒ نے نبی کریم ﷺ سے سمجھا تو آپؒ کے بیان کردہ دوسری حدیث کا مفہوم کی توثیق فرمائی گئی۔ ایسے واقعات قرون اولیٰ کی تاریخ میں شاید ہی ملتے ہیں یا پھر حضرت جیؒ کے ہاں نظر آئے۔

اس دور کی ضروریات بھی یہی تھی کہ حیات النبی ﷺ کے اثبات میں قرآن' وحدیث اور علمی دلائل کے ساتھ ساتھ اس کا عملی ثبوت بھی امت مرحومہ کے سامنے پیش کر دیا جائے تا کہ اس اعتقادی فتنہ سے ایمان محفوظ رہ سکے۔ حضرت جیؒ کی حیات طیبہ حیات النبی ﷺ کا عملی ثبوت ہے جس میں آپؒ کو دربار نبوی ﷺ میں مستقل حضوری نصیب ہوئی' اہم امور میں رہنمائی فرمائی گئی اور کلام کی سعادت ملی۔ لیکن تاریخ تصوف کے دیگر واقعات کی طرح اسے بھی آپؒ کی شخصی کرامت قرار دیا جا سکتا تھا۔ تکمیل ثبوت کے لئے حضرت جیؒ نے تقسیم برکات نبوی ﷺ کو اس طرح عام کیا کہ آپؒ کی صحبت میں حاضر ہونے والا ہر شخص نوازا گیا اور ولایت خاصہ کے ساتھ لوٹا۔ آپؒ نے احباب سلسلہ عالیہ کی تربیت فرما کر ایسے افراد تیار کئے جنہیں عالم بیداری میں دربار نبوی ﷺ میں حاضری نصیب ہوئی اور وہ آقائے نامدار ﷺ کے دست اقدس پر روحانی بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جیؒ کے ساتھ ان احباب پر مشتمل ایک کثیر جماعت کا وجود حیات النبی ﷺ کا وہ عملی ثبوت تھا جو دور حاضر میں پیش کیا گیا۔

دربار نبوی ﷺ سجا ہوا ہو' آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں۔ جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور اکابر اولیاء کرام اس دربار میں حسب مراتب مسند نشین ہوں۔ حضرت علیؓ ایک طرح سے روحانی ناظم الامور کا عہدہ سنبھالے نظر آئیں۔ دربان کے فرائض کی بجا آوری پر غوث مامور ہوں۔ اس کرۂ ارض پر جو کچھ ہو رہا ہے اس کی طرف آقائے نامدار ﷺ کی توجہ نظر آئے۔ فیصلوں کا صدور ہو اور سلسلہ عالیہ کے خدام عالم بیداری میں روحانی طور پر وہاں موجود اس کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔ کیا اس کے بعد بھی حیات النبی ﷺ سے انکار کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ آج سلسلہ عالیہ' کرۂ ارض پر برکات نبوی ﷺ کی ترسیل کا زندہ ثبوت ہے اور مادیت کے اس دور میں تزکیہ قلوب اور باطنی تربیت کا عمل مسلسل جاری ہے۔

حضرت جیؒ نے تجدید واحیائے تصوف کے ذریعے دین کے اہم ترین شعبہ ''احسان'' کا اصل نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپؒ نے اس باطل نظریہ کی تردید فرمائی کہ شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے الگ ہیں اس کے برعکس آپؒ نے یہ تعلیم عام کی کہ اتباع شریعت مطہرہ ﷺ کے بغیر طریقت ممکن ہی نہیں۔

اس دور میں تصوف' جمود اور بے عملی کی علامت بن چکا تھا۔ اسے دین کے نام پر زندگی کے حقائق سے فرار کا آسان ترین راستہ سمجھ کر اختیار کیا جا رہا تھا جسے دیکھ کر ایک مکتب فکر نے تصوف کو ''مذہبی افیون'' تک کہہ دیا۔ حضرت جیؒ نے دنیا کے سامنے حقیقی اسلامی تصوف کا نقشہ پیش کیا جو سراپا عمل اور ابلیسی قوتوں کے خلاف جدوجہد کا نام ہے۔ آپؒ نے گوشہ نشینی کی بجائے اجتماعیت کا درس دیا اور تصوف کو ایک تحریک کی صورت میں پیش کیا۔

حضرت جیؒ کی پوری زندگی میں ایک مجاہدانہ شان نظر آتی ہے۔ ایک تبلیغی دورے میں آپؒ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔ اپنے علاقے میں قادیانیوں سے مقابلہ پیش آیا تو نہ صرف دلائل کی زبان سے بلکہ طاقت کے بھرپور مظاہرے سے ان کی بیخ کنی فرمائی۔ تبلیغی دوروں پر نکلتے تو مسلح سفر کرتے۔ تاریخ تصوف بھی یہی ہے کہ جب تک طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں' اسلامی حکومتیں' علماء وقت اور عوام برسرپیکار رہے' اہل اللہ کی جماعت تزکیہ نفس کا فریضہ سرانجام دیتی رہی لیکن جب تمام حصار ٹوٹ گئے تو باطل کے سامنے خود سینہ سپر ہو گئے۔ عصر حاضر کی بھی یہی ضرورت تھی۔ حضرت جیؒ نے اپنی جدوجہد کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

''یہ محض اس واسطے کر رہا ہوں کہ الحاد اور بے دینی جو کہ آقائے

نامدار ﷺ کے دین کو تباہ کرنا چاہتی ہے الحاد اور بے دینی اور سوشلسٹ، ان کی روک تھام کے لئے ہمارے پاس جماعت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبولان کی جماعت ایسی ہو جائے کہ دنیا کے ہاں ایسے مسلمان ہوتے ہیں۔''

حضرت جیؒ نے جس تصوف کی تعلیم دی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا مضبوط تعلق قائم کرنے کا نام ہے جس کے بعد انسان حق و باطل کے مقابلے میں وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ (اور وہ کنکریاں جو آپ ﷺ نے پھینکیں وہ آپ ﷺ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں) کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔ یہ سلسلہ عالیہ کا تحریکی پہلو تھا جو اس وقت ''الاخوان'' کی صورت میں اُبھر کر نظر آتا ہے۔

حضرت جیؒ نے تجدید و احیائے تصوف کا جو کام سرانجام دیا اس کے متعلق آپ کا فرمان ہے۔

''تصوف کا مالہٗ ماعلیہ، نفع نقصان، اچھائی برائی ساری چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صحیح اسلامی تصوف چھانٹ کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مشائخ سے جو چیز آ رہی تھی اس میں کچھ چیزیں میں نے دیکھی ہیں کہ نقصان دہ ہیں ان کو کاٹ دیا ہے۔ رضائے الٰہی کا راستہ جو صحیح ہے سارے کا سارا وہ پیش کر دیا ہے۔''

کارِ تجدید میں ایک فرد کے ساتھ اس کے متعلقین کی جماعت شریک ہوتی ہے جو اس عمل کے تسلسل کا ذریعہ بنتی ہے۔ ورنہ کسی مجدد کا کام خواہ کس قدر عظیم ہی کیوں نہ ہو دیرپا اثرات کا حامل نہیں ہو سکتا۔

حضرت جیؒ نے سلسلہ عالیہ کے احیاء کی صورت میں جو جماعت تیار کی وہ آج کرۂ ارض پر برکاتِ نبوت ﷺ کی ترسیل کا زندہ ثبوت ہے۔ جہاں کفر و الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اُمڈتے چلے آ رہے ہیں وہاں ذکر و فکر کی روشنی بھی روز افزوں ہے۔

یہ مختصر باب حضرت جیؒ کے کارِ تجدید و احیائے تصوف کے متعلق صرف تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس موضوع پر وقت کے ساتھ ساتھ مزید بہت کچھ لکھا جائے گا جس کا آغاز مختلف جامعات اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تحقیقی مقالوں کی صورت میں ہو چکا ہے۔ مستقبل کا محقق حضرت جیؒ کے کارِ تجدید کی مزید جہتوں کا تعین کرتے ہوئے اس کی وسعتوں کا جائزہ لے سکے گا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میانوالی کے ایک دور افتادہ گاؤں میں تاریخ تصوف کے اس بطلِ جلیل نے اللہ اللہ کی صدا کے ساتھ جس تحریک کا آغاز فرمایا تھا آج وہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اس وقت کوئی لمحہ ایسا نہیں جب سلسلہ عالیہ کے متوسلین کرۂ ارض پر کہیں نہ کہیں اللہ اللہ نہ کر رہے ہوں۔ آج حضرت جیؒ کے قائم کردہ مرکز ''دارالعرفان'' سے سلسلہ عالیہ کے شیخ حضرت امیر المکرم صبح و شام سالکین کو انٹرنیٹ کے ذریعے ذکر کراتے ہیں تو دنیا بھر میں ذاکرین ایک ہی وقت میں برکاتِ نبوی ﷺ سے مستفید ہو رہے ہوتے ہیں۔

مادیت سے پریشان انسانیت اس وقت روحانیت کی تلاش میں ہے اور اس کے دردِ دل کا علاج بجز برکاتِ نبوی ﷺ ممکن ہی نہیں۔ اللہ اللہ کی یہ صدائیں اب بڑھتی ہی رہیں گی۔ حضرت جیؒ کے ارشاد کے مطابق۔

''اس مرکز کو ظہورِ مہدی تک قائم رہنا ہے۔ یہ جماعت خوب پھیلے گی اور حضرت مہدی کی نصرت کرے گی۔

انشاءاللہ!''

جاری ہے۔

☆☆☆

can do anything and everything she likes: she can contest elections and rule the country. Many renowned religious scholars gathered around our female Prime Minister, and none decreed that she cannot participate in politics. But, if the same lady starts remembering her God, there would be an instant uproar from the religious quarters that she is doing wrong.

The Book and the Sunnah have not imprisoned a woman in her home. During the time of the holy Prophet ﷺ, women participated even in battles, such as in the battles of Badar and Uhad. They supplied water to the wounded, dressed their wounds and took care of them; they even fought battles with sword. But during the whole activity, they kept themselves separate and did not mix with men. The point to ponder is, 'Did they learn to ride and use the sword from some instructor or were they born with these qualities?' During that blessed era, they received their education and training separately and performed their duties separately from men, and that is the rule even today. They should remain within their Pardah and achieve every bit of excellence that men can attain to. They have a greater need to learn the basic essentials of the Religion. "*And the men who remember **Allah** much and the women who remember **Allah** much, **Allah** has promised them forgiveness and immense reward.*" **Allah** has equated them with men in the frequent performance of Zikr; but, how would they do it, if they don't learn it? This is the standard laid down by the Divine Book. She is neither a caged bird nor a showbiz model; there is a middle way for her. She should know and realise her responsibilities and acquire the ability to fulfil her requirements honourably. She should neither become a dependent beggar nor a free-lancer to rub shoulders with men.

May **Allah** grant us the capacity to understand properly and act accordingly! Ameen!

"ایک ہوتا ہے کہ دین کے کسی حکم پر بندہ عمل نہیں کر سکتا' یہ گناہ ہوتا ہے جرم ہے' فسق ہے دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ وہ حکم ہی کو قابل عمل نہیں سمجھتا کہ ایسا ہونا ہی ممکن نہیں' یہ گناہ نہیں ہے' یہ کفر ہے یہ دین سے انکار ہے یہ ایمان کے خلاف ہے۔ یہی ایذائے رسول ﷺ ہے اور ایذائے رسول ﷺ بدترین کفر ہوتا ہے۔"

"ماخوذ از تعلیمات و برکات نبوت ﷺ"

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2667571-2

prayed: "My Lord, I am needy of whatever good Thou send down for me." In a single sentence of supplication he summed up his poor condition: "O **Allah**! Of all the people present, I am the neediest and certainly deserve **Your** favours the most. Each one has his family, home, cattle and business; but here I am, all alone, without anything except **Your** Name. I have no family, home or wealth, and I am a stranger in an alien land. My Lord, I am needy of whatever good **You** send down for me. **You** are the Lord of Grace and Mercy. Grant me a favour, something good which suffices all my needs and turns a destitute stranger into a happy resident." The Divine response granted all the supplications of **His** dear and exalted Messenger by bestowing a single favour in the form of a wife. All of his needs were adequately taken care of; he received a home, relatives, property and all of the good of this life through that single Divine Favour. The lone traveller became a part of the society like a diamond in a ring. Nothing but good came to him when a woman walked into his life. The Quran calls that lady as total good because of her modesty; it means that modesty is the hallmark of feminine attributes, without which, a woman doesn't remain a real woman. A western thinker has rightly observed, 'A woman can indeed do everything outside of her home that a man can do, but she remains a woman no more'. She loses her positive feminine attributes such as modesty, love, affection and delicacy; she actually loses her femininity and transforms into a different being. If you see those women who have adopted this style, you will find that they have neither become men, nor remained women but have turned into something different. They have a separate style, manners and attitude towards life; it is quite difficult to understand such women.

Islam has neither allowed the use of a woman as a model for advertisement (as in the West) nor has it allowed for her to be treated as a worthless captive slave (as in Hinduism or the Far East). On the other hand, Islam considers a woman to be a human being worthy of every honour and respect. Both men and women are equally good creatures of **Allah**, duly responsible and accountable for their actions, although both have different capabilities and duties. The Islamic concept of human equality is that a man should do his duty and a woman should shoulder her responsibility. Both should do their duty and enjoy their rights and privileges. If she is compelled to exceed the charter of her duties, this is not equality but cruelty and injustice. This is the Islamic teaching. However, in the sight of Islam, all feminine excellence, honour and greatness depend upon only one virtue - purity! The Quran mentioned and praised the shy manner of the young girl when she approached Prophet Musa^{as}.

During the present time, there is considerable hue and cry about women's rights and equality; all the while the press and media are playing a vital role in setting this issue ablaze. Accordingly, the advocates of the feminine lib take out violent processions. But the criterion of this equality has already been defined by the Divine Book and illustrated by the holy Prophet^{saw} during his life. We should look towards **Allah** and **His** holy Prophet^{saw} and not towards the West or the East for the best solution of this issue.

There is a visible paradox in our approach towards women. On one hand, we have allowed them to participate in every worldly activity. They may visit clubs for entertainment, play games outside, watch movies in theatres and go to the market for shopping, and they interact with men during all these activities. We tolerate and accept this as normal routine of life. On the other hand, if they go out to learn religion, we are infuriated beyond control. I have yet to see any religious verdict prohibiting women from roaming the markets without Hijab, bareheaded, even though each one of these acts is prohibited in the Shari'ah. Nobody is bothered where they go or what they do. But if you guide one of them from a movie theatre to a mosque, there is an immediate reaction against it, everybody starts objecting to their religious activity. In our country, a woman

its excess. The relatively frail body of the second worker must possess a strong but sensitive and tender heart, because the job is not to protect the garden but nurture the plants fondly and tenderly. In my opinion, this task is more delicate and subtle. **Allah** has entrusted this delicate and sensitive responsibility of raising and educating the human race to a woman, whilst the job of a man is to earn and protect it; this is the natural division of their responsibilities. Both are equally responsible, and I think the job of a woman is more important.

But a more important question which requires our attention is, 'Does a woman, who has been entrusted with such a delicate and sensitive task, require any education or training herself?' I think she requires it more than a man; but we practically give no attention to this important issue. The parents try to give her the best of secular education, but do not give her any religious knowledge. Her brothers feel obliged to protect her and comfort her, but fail to realise their obligation to teach her religion. Similarly, the husband would leave no stone unturned to keep her happy and comfortable; he would give her abounding love and get her every good thing in the world, except religion. Finally, when she becomes a mother, her children would respect and serve her affectionately, but they too would not speak of religion with her. This attitude actually stems from a notion, deeply embedded in our subconscious, that she is an inferior being by creation.

When the mother of holy Mary vowed to devote her child to the service of God, she was, in fact, expecting to deliver a son. Such custom was allowed in their religion. However, when against her expectation, she gave birth to a daughter; she was extremely worried about the fulfilment of her oath. The Quran refers to her anxiety by mentioning that she did not know that her daughter was far superior to many sons and had a high status with **Allah**. Her life was an explicit illustration of Divine greatness and power, and a source of guidance for mankind. According to the Quran, anyone (be it man or woman) who fulfils their assigned duty is better than the one who doesn't - in the sight of **Allah**.

About three quarters of human life relates to personal and private affairs and is usually spent within the four walls of one's home. If the chapter relating to specific feminine concerns is also added, it assumes an even greater portion of the religion. As such, the greater part of religion was narrated by the blessed wives of the holy Prophet. He married eleven times and when he passed away, nine of his wives were still alive. Those who feel embarrassed at the criticism about his marriages have really not studied his life. Had he married for the sake of marriage, he would have married during his prime youth. But he passed his entire youth with Hadhrat Khadijah who was much elder to him. After her death, when he remarried, he was over fifty years of age. Hadhrat 'Aishah was the only virgin, his remaining wives were either widows, divorced or freed captives. Some had brought their children from previous husbands with them and they were also looked after by him. His holy wives were the only source to convey a major portion of the religion to us. In their absence, the private life of the holy Prophet would have remained obscure and concealed forever.

We refer back to the incident of Prophet Musa in which he had asked the young girls the reason for their presence in the crowd of herdsmen; they had replied that their father was old, and since there was no one else to do this job, they had come themselves and were waiting for the men to leave the site. This verse lays down the parameters for a woman to work outside her house. If there is nobody else to earn a living, it is better for her to work than to starve or beg. She may do business, seek employment or undertake physical labour. However, she should come out of her house only under compulsion and work in such environments that protect her honour and chastity and prohibit male-female intermixing. When Prophet Musa heard their reply, he took their flock and made his way through the crowd and watered their cattle. Then he retired to the shade of a tree and

must always keep their proper distance. This point has been highlighted in the referred verses. The two young girls had come out of their home under compulsion, but they waited aside for the male shepherds to leave the site before they could take their turn.

Here, two conditions have been laid down for women to come out of their homes to work; first, when there is no male member of the family to undertake this obligation, second, when they don't have any source of livelihood, and are required to earn their bread by themselves.

Our society is infested with strange customs which have actually been borrowed from Hindus and injected into this Muslim culture. The notion that women are inferior or worthless is a myth of Hindu cult, which assigns no significance to them, whatsoever. When the husband dies, the wife must be cremated with him; else, she shall have to spend her remaining life as an untouchable and detested creature. Even her near ones won't speak to her and she would be sentenced to solitary confinement, living a dog's life, performing menial jobs. We have imported this concept from Hinduism. We too, highlight her weaknesses emphatically and present her as a worthless and loathsome member of the human race; this attitude is certainly wrong. Islam is the Message of love for the whole humanity; a woman is as good a member of the human family as is a man. Islam has assigned different responsibilities and duties to both, keeping in view their physical, mental and psychological potentials and capacities. Both shall appear before the same Lord, at the same place to account for their deeds. A disbelieving man shall be sentenced to the same hell as a disbelieving woman, and a blessed woman would undoubtedly enjoy the same Divine Bliss in Paradise that a man would. As human beings, both have the same pattern of life. They are born alike, exist alike, taste the same death, would be raised in the same manner and would likewise face the consequences of their deeds. They have been created with different physical, mental and psychological capabilities. Their requirements and responsibilities, therefore, are also different. However, both of them are of equal importance as members of the human race.

Some people consider women as inferior on the plea that there has not been a female Prophet. However, the advocates of this argument tend to forget that, although **Allah** created a Prophet without father, there is no evidence of a *motherless* Prophet in the entire human race. Except for the first human being and a Prophet, whom **Allah** created without a father and a mother, there is no other instance of a Prophet being born without a mother. Without exception, every Prophet was born and brought up in the warm, loving lap of his mother. If she was such a detestable creature, then why was every Prophet and Messenger born and brought up in her lap? Yes, she is not a Prophet but isn't she the mother of a Prophet? Isn't she his loving daughter? Doesn't she share his life as his wife? In Paradise, the residence of the holy Prophet[SAW] will be located at the most blessed and sublime station. There would be no other house or person in the vicinity, except his[SAW] holy wives who will also be living with him[SAW] in his house. So how is a woman bad or inferior? In fact, we have borrowed this false notion from the Hindus of the Indian subcontinent.

The natural division of duties and responsibilities of men and women can be illustrated by the following example. Suppose a person wants to grow a beautiful orchard, for which he requires two workers. The first should be physically strong to undertake hard work such as tilling the earth, planting trees, digging water channels, etc. He should be strong enough to protect the garden and work outside at his own. The second worker, required to look after the plants, may not be as strong, but should be more caring and loving than the first one. This worker, by natural instinct, must understand and care for the requirements and needs of each budding plant and blossoming flower. This worker's love should so distribute the food and nourishment that plants should neither die of food shortage nor of

WOMAN IN ISLAM

Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

> *He found there a whole tribe of men watering. And he found apart from them two women restraining their flock. He said, "What ails you?" The two said, "We cannot give our flock to drink unless the shepherds return from the water, and our father is a very old man." So he watered their flock for them. Then he returned aside into the shade and said, "My Lord! I am needy of whatever good Thou send down for me."* (28:22-24)

The holy Quran narrates numerous events including stories of the nations of past. It gives the accounts of **Allah**'s Prophets and Messengers, and also mentions both groups of people, those who disbelieved and denied the Prophets and those who believed and followed **Allah**'s Message. The Quran relates all these events in context to the purpose of its revelation, that is, to invite mankind towards **Allah**, to define the path of worship and obedience, and to warn about the way leading to Divine Wrath. Historic events are mentioned only as examples for mankind to draw conclusions and to learn desired lessons. For that reason, it narrates the conditions of various nations at the time when Prophets were sent to them. It recounts the hardships endured by Prophets during their efforts to steer their nations from darkness to the Light, and also highlights the difference between the fate of the rejecters of Faith and of the believers. The Quran recounts all this to enable the reader to reflect and decide the best course for himself. Although the Quranic narration of history is the most accurate and the absolute truth, yet the mere narration of history has never been the subject of Quran. Thus, it does not tell the whole story at one place, but refers to its different events at appropriate places, so as to highlight the desired lessons.

The holy verses mention the tyranny of Pharaoh, the events of Prophet Musa's flight to Madyan and his meeting with Prophet Sho'aib. In addition to the grand sacrifices and steadfastness of Prophet Musa and the piety and greatness of Prophet Sho'aib, these verses mention an extraordinary event which is full of tremendous wisdom and lessons for human civilisation. As Prophet Musa approached Madyan, he came upon a well on the outskirts of the city, where people brought their cattle to drink. A large crowd of herdsmen with their cattle had gathered at the site. Amongst these herdsmen, he found two young girls holding their flock to one side. He was genuinely surprised to find these young girls there and inquired about their odd presence in an otherwise all-male affair.

They replied that they had also brought their flock for water and were waiting for the others to leave the site before they could take their turn. They added that their father was old and could not do this job himself. In this small sentence, **Allah** has laid down the conditions and norms for women to participate in various spheres of human activity outside the four walls of their homes. A woman is permitted to step out of her house if there is none else to work outside. Those women who have a man such as father, brother, husband or son to work for them, are not required to go out of their homes. But, if the male member(s) of the family are sick or old or can't work for some reason, then women are permitted to go out and work - under compulsion. They must not starve to death within their homes, nor should they beg or steal, but should adopt a respectable way to earn their living. However, such women should not mix freely with working men and